• جلد 13 • شمارہ 10 • مئی 2024

Regd.# MC-1366

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ فہمِ دین

بھولی چڑیا

تین قدم

کامیابی کے نسخے

گرِنیم

حجاب

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM

وقف قربانی 2024

WAQF QURBANI

ضرورت مندوں کے لیے

بیت السلام

BAITUSSALAM

عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ

پاکستان کی سب سے بڑی وقف قربانی کا قابلِ اعتماد ادارہ

گائے فی حصہ

A	B	C
Rs. 17,500	Rs. 14,500	Rs. 11,500

بکرا

A	B
Rs. 40,000	Rs. 32,000

BOOK YOUR

QURBANI NOW

bwt.ngo/qurbani

+92 21 111 298 111

QURBANI HELPLINE 0334 7872264

QURBANI

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

مئی 2024

فہم وفکر

	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

علم تفسیر	رشید عطا	10
حجاب	حمیرا علیم	11
گل نیم	حکیم شمیم احمد	13
نوجوانوں کے مسائل	عذرا خالد	15
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	16
کلفت وراحت میں ہم سفر بیوی	ندا اختر	17
معاشی اصلاحات: دس اصول	رابعہ فاطمہ	19
امید	نمرہ امین	20

خواتینِ اسلام

بے جان سجدے	ام محمد سلمان	22
اولاد	فاطمہ طارق	23
کتاب سے محبت	بیگم ناجیہ شعیب	24
کایاپلٹ	بشریٰ رفیق	26
رحمت	مہوش اشرف	28

باغچہ اطفال

صبر کا پھل	ڈاکٹر الماس روحی	31
خطرناک ایجاد	ہانیہ عبد الشکور	33
جوانِ رعنا	بنت تاجور	34
بھولی چڑیا	قرۃ العین خرم	35
ابراہیم کی توبہ	حفصہ فیصل	36
خوف ناک انعام	ام عبد اللہ	37
گوگو کا پاؤں	سمیرا انور	38
آؤ بچو سنو کہانی!	مہوش اسد شیخ	39

بزمِ ادب

اس لیے دیر سے روز آتا ہوں میں	ضیاء اللہ محسن	42
گلدستہ	حافظ محمد اطہر	44

اخبار السلام

اخبار السلام	ادارہ	46

زیر سرپرستی

حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمٰن
نظر ثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	فیضان الحق شمسی

آراء وتجاویز کے لیے

0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@fahmedeen.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے

26-C گراؤنڈ فلور، بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر	مطبع	مقام اشاعت
فیصل زبیر	واسا پرنٹر	دفتر فہم دین

مدیر کے قلم سے

تین قدم

بے عملی سے اچھا عمل آنا اتنا مشکل کام نہیں، جتنا کہ اعمال کے بعد صفات کا پیدا ہونا اور پھر اخلاص کا پیدا ہونا ہے۔

کسی بھی نیک مجلس میں بیٹھنے سے، موٹیویشنل اسپیکر کو سننے سے اور جماعت میں چند روز لگانے سے جو نقد فائدہ حاصل ہوتا ہے، وہ یہ کہ جسم عمل پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ لباس پوشاک اور وضع قطع سنت کے مطابق ہو جاتی ہے۔ بد عملی اور بے عملی کی جگہ اچھے اعمال لے لیتے ہیں۔ یہ چھوٹا فائدہ نہیں، یہ بھی بہت بڑا فائدہ ہے۔ جو گناہ ننگے سر کرنا آسان ہوتے ہیں، وہ ٹوپی پہن کر کرنا مشکل ہو جاتے ہیں اور جو گناہ ٹوپی پہن کر بھی نہیں چھوٹتے، وہ پگڑی پہن کر چھوٹ جاتے ہیں۔ آدمی کو خود اپنی اچھی وضع قطع سے حیا آنے لگ جاتی ہے۔ بغیر ڈاڑھی کے آدمی جس بد عملی کا شکار ہوتا ہے۔ بہت سارے مواقع میں ڈاڑھی کی برکت سے اس سے بچ جاتا ہے۔ یہی حال لباس کا ہے۔ یعنی اچھی مجلس میں بیٹھنے اور اچھی گفتگو سننے کا پہلا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ظاہری حلیے میں تبدیلی آتی ہے اور ظاہر کا اثر اندر کے انسان پر پڑتا ہے اور وہ بہت ساری بد عملیوں اور بے عملیوں کو چھوڑنے کا فوری فیصلہ کر لیتا ہے۔ مگر یہ کافی نہیں ہے، یہ کام یابی کی طرف پہلا قدم تو ہے، مگر پوری کام یابی نہیں ہے۔

اس کے بعد دوسرا قدم روحانی اور قلبی صفات کا ہے۔ دِل نیکی پر مطمئن ہو جائے، طبیعت میں قناعت آ جائے، دُنیا کی حرص اور لالچ ختم ہو جائے، گناہوں سے نفرت پیدا ہو جائے، معاملات بہتر کرنے کی فکر ہو جائے، حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی ادائیگی بھی شروع ہو جائے، حسد، بغض، کینہ جیسی خطرناک روحانی بیماریوں سے چھٹکارا مل جائے، جو رشتے داری کو توڑے، اس سے جوڑنے والا بن جائے، جو ظلم کرے، اس کو معاف کرنے والا بن جائے، جو کسی معاملے میں برائی کرے، اس کو نہ صرف معاف کرنے والا، بلکہ اس پر احسان کرنے والا بن جائے، عبادت بڑھیا ہونے کے ساتھ ساتھ معاملات بھی اعلیٰ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی ہر بات اچھی لگنے لگ جائے، سنت پر عمل کرنے کا چسکا لگ جائے، خوفِ خدا، آخرت کی فکر، جنت کا شوق لگ جائے، جہنم سے وحشت ہو جائے۔ موت سے وحشت کی بجائے محبوب سے ملاقات کا بہانہ لگنے لگ جائے۔ تو انسان بے عملی سے اعمال پر جلدی آ جاتا ہے، مگر پھر دوسرا مرحلہ قلبی صفات کا ہے، یہ صفات آتے آتے ہی آتی ہیں، اس کی فکر بھی ہمیں ہونی چاہیے۔

پھر کام یابی کا تیسرا اور سب سے اہم قدم اخلاص ہے۔ آدمی جو عمل کرے، صرف اللہ تعالیٰ کی خوش نودی اور رضا کے لیے کرے۔ نہ شہرت مقصود ہو، نہ واہ واہ چاہیے، نہ مادی نفع پیشِ نظر ہو، حبِ جاہ کی طلب ہو، نہ حبِ مال کی۔ ہر کام پر صرف اس لیے عمل ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اور اس پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے۔ یہ کام یابی کی معراج ہے۔ یہ اخلاص ہی ہے، جس سے رائی برابر عمل کا ثواب پہاڑ کے برابر ملتا ہے اور یہ اخلاص کی کمی ہی ہے، جس سے پہاڑ برابر عمل پر رائی کے برابر بھی ثواب نہیں ملتا۔

قارئینِ گرامی! انسان کی خوب صورتی یہ ہے کہ وہ باہر سے بھی خوب صورت ہو اور اندر سے بھی۔ اس کے ظاہری اعمال بھی اچھے ہوں اور اس کے باطنی اعمال بھی اچھے ہوں۔ اس کی لوگوں سے معاشرت بھی اچھی ہو اور اس کے اندر کے جذبات، خیالات بھی پاکیزہ ہوں اور سب سے بڑھ کر تمام مفادات سے بالاتر ہو کر لسانیت، عصبیت، قومیت اور نفسانیت کو بالائے طاق رکھ کر خالص اللہ کی خوش نودی کے لیے وہ یہ سارے کام کرنے والا ہو۔ یہ بندگی کی معراج ہے، اسی کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے، یہ خدائی صفات ہیں، پھر اس میں خدا کے جانشین اور خلیفہ ہونے کا عکس نظر آئے گا، پھر خدا کی مرضی میں اسے اپنی رِضا نظر آئے گی، پھر کیسے بھی حالات آئیں، یہ بندہ صابر بھی ہو گا اور شاکر بھی، پھر اس کی کیفیت یہ ہو جائے گی کہ جس حال میں یار رکھے، وہی حال اچھا۔ پھر کوئی اپنی مرضی نہیں ہو گی، پھر وہ اس شعر کا مصداق ہو جائے گا کہ

فنا فی اللہ کی تہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا، اسے جینا نہیں آتا

اللہ کرے، ہم کہیں راستے میں ٹھہر نہ جائیں اور یہ تینوں قدم طے کر کے کام یابی کی معراج کو پالیں۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

المائدة 96-102

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا
دُمْتُمْ حُرُمًا وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ 96

ترجمہ: تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے، تاکہ وہ تمہارے لیے اور قافلوں کے لیے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنے، لیکن جب تک تم حالتِ احرام میں ہو، تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، جس کی طرف تم سب کو جمع کر کے لے جایا جائے گا۔ 96

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ
لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ 97

ترجمہ: اللہ نے کعبہ کو جو بڑی حرمت والا گھر ہے، لوگوں کے لیے قیامِ امن کا ذریعہ بنا دیا ہے، نیز حرمت والے مہینے نذرانے کے جانوروں اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے پٹوں کو بھی (امن کا ذریعہ بنایا ہے)، تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ان سے خوب جانتا ہے اور اللہ ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے۔ 97

تشریح نمبر 1: کعبہ شریف اور حرمت والے مہینے کا باعثِ امن ہونا تو ظاہر ہے کہ اس میں جنگ کرنا حرام ہے۔ اس کے علاوہ جو جانور نذرانے کے طور پر حرم لے جائے جاتے تھے، ان کے گلے میں پٹے ڈال دیے جاتے تھے، تاکہ ہر دیکھنے والے کو پتا چل جائے کہ یہ جانور حرم جا رہے ہیں، چناں چہ کافر، مشرک، ڈاکو بھی ان کو چھیڑتے نہیں تھے۔ کعبے کے قیامِ امن کا باعث ہونے کے ایک معنی کچھ مفسّرین نے یہ بھی بیان فرمائے ہیں کہ جب تک کعبہ شریف قائم رہے گا، قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت اس وقت آئے گی جب اسے اُٹھا لیا جائے گا۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ 98

ترجمہ: یہ بات بھی جان رکھو کہ اللہ عذاب دینے میں سخت ہے اور یہ بھی کہ اللہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔ 98

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ 99

ترجمہ: رسول پر سوائے تبلیغ کرنے کے کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے اور جو کچھ تم کھلے بندوں کرتے ہو جو کچھ چھپاتے ہو اللہ ان سب باتوں کو جانتا ہے۔ 99

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ
اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي
الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ 100

ترجمہ: (اے رسول! لوگوں سے) کہہ دو کہ ناپاک اور پاکیزہ چیزیں برابر نہیں ہوتی، چاہے تمہیں ناپاک چیزوں کی کثرت اچھی لگتی ہو، لہٰذا اے عقل والو! اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔ 100

تشریح نمبر 2: اس آیت نے بتا دیا ہے کہ دنیا میں بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی ناپاک یا حرام چیز کا رواج اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ وقت کا فیشن قرار پا جاتا ہے اور فیشن پرست لوگ اسے اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ مسلمان کو متنبّہ کیا گیا ہے کہ وہ صرف کسی چیز کے عام رواج کی وجہ سے اسے اختیار نہ کریں، بلکہ یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایت کی روشنی میں وہ جائز یا پاک ہے یا نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا
عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ 101

ترجمہ: اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں اور اگر تم ان کے بارے میں ایسے وقت سوالات کرو گے، جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی، (البتہ) اللہ نے پچھلی باتیں معاف کر دی ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے۔ 101

تشریح نمبر 3: آیت کا مطلب یہ ہے کہ اوّل تو جن باتوں کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو، ان کی کھوج میں پڑنا فضول ہے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اوقات کوئی حکم مجمل طریقے سے آتا ہے، اگر اس حکم پر اسی اجمال کے ساتھ عمل کر لیا جائے تو کافی ہے، اگر اللہ تعالیٰ کو اس میں مزید تفصیل کرنی ہوتی تو وہ خود قرآنِ کریم یا نبی کریم ﷺ کی سنت کے ذریعے کر دیتا، اب اس میں بال کی کھال نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر نزولِ قرآن کے زمانے میں اس کا کوئی سخت جواب آ جائے تو خود تمہارے لیے مشکلات کھڑی ہو سکتی ہیں، چناں چہ اس آیت کے شانِ نزول میں ایک واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حج کا حکم آیا اور آں حضرت ﷺ نے لوگوں کو بتایا تو ایک صحابی نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ "یا رسول اللہ (ﷺ)! کیا حج عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے یا ہر سال کرنا فرض ہے؟" آں حضرت ﷺ نے اس سوال پر ناگواری کا اظہار فرمایا، وجہ یہ تھی کہ حکم کے بارے میں اصل یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود یہ صراحت نہ کی جائے کہ اس پر بار بار عمل کرنا ہوگا (جیسے نماز، روزے اور زکوٰۃ میں یہ صراحت موجود ہے) اُس وقت تک اس پر صرف ایک بار عمل کرنے سے حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے، اس لیے اس سوال کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے صحابی سے فرمایا کہ "اگر میں تمہارے جواب میں یہ کہہ دیتا کہ ہاں! ہر سال فرض ہے تو واقعی پوری امت پر وہ ہر سال فرض ہو جاتا۔"

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ 102

ترجمہ: تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کیے تھے، پھر ان (کے جو جوابات دیے گئے ان) سے منکر ہو گئے۔ 102

تشریح نمبر 4: اس سے غالباً یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو شریعت کے احکام میں اسی قسم کی بال کی کھال نکالتے تھے اور جب ان کے اس عمل کے نتیجے میں ان پر پابندیاں بڑھتی تھیں تو انھیں پورا کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات ان کی تعمیل سے صاف انکار بھی کر بیٹھتے تھے۔

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

فہم حدیث

شوال کے روزوں کی فضیلت

عَنْ أَبِي اَيُّوبَ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ : مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ماہِ رمضان کے روزے رکھے، اس کے بعد ماہِ شوال میں چھ نفلی روزے رکھے تو اس کا یہ عمل ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہوگا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: رمضان کا مہینہ اگر 29 ہی دن کا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے 30 روزوں کا ثواب دیتے ہیں اور شوال کے چھ نفلی روزے شامل کرنے کے بعد روزوں کی تعداد 36 ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کریمانہ قانون اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا (ایک نیکی کا ثواب دس گنا) کے مطابق 36 کا دس گنا 360 ہو جاتا ہے اور پورے سال کے دن 360 سے کم ہی ہوتے ہیں۔۔۔ پس جس نے پورے رمضان مبارک کے روزے رکھنے کے بعد شوال میں چھ نفلی روزے رکھے، وہ اس حساب سے 360 روزوں کے ثواب کا مستحق ہوگا، پس اجر و ثواب کے لحاظ سے یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی بندہ سال کے 360 دن برابر روزے رکھے۔

قناعت واستغنا

جن اخلاق کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اس دنیا میں بھی بہت بلند ہو جاتا ہے اور دل کی بے چینی اور کُڑھن کے سخت عذاب سے بھی اس کو نجات مل جاتی ہے، ان میں سے ایک قناعت اور استغنا بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جو کچھ ملے اس پر وہ راضی اور مطمئن ہو جائے اور زیادہ کی حرص ولالچ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کو قناعت کی یہ دولت عطا فرمائے، بلاشبہ اس کو بڑی دولت عطا ہوئی اور بڑی نعمت سے نوازا گیا۔

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَ قَنَّعَهُ اللهُ بِمَا أٰتَاهُ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کام یاب اور با مراد ہوا وہ بندہ جس کو حقیقت اسلام نصیب ہوئی اور اس کو روزی بھی بقدر کفاف ملی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس قدر قلیل روزی پر قانع بھی بنادیا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: بلاشبہ جس بندہ کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی اور ساتھ ہی اس دنیا میں گزارے کا کچھ ضروری سامان بھی اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل کو قناعت اور طمانیت کی دولت بھی نصیب فرمادے تو اس کی زندگی بڑی مبارک اور بڑی خوش گوار ہے اور اس پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے۔ یہ قناعت اور دل کی طمانیت وہ کیمیا ہے، جس سے فقیر کی زندگی بادشاہ کی زندگی سے زیادہ لذیذ اور پُر مسرّت بن جاتی ہے۔

شرم وحیا

شرم وحیا ایک ایسا اہم فطری اور بنیادی وصف ہے، جس کو انسان کی سیرت سازی میں بہت زیادہ دخل ہے، یہی وہ وصف اور خلق ہے جو آدمی کو بہت سے بُرے کاموں اور بُری باتوں سے روکتا اور فواحش ومنکرات سے اس کو بچاتا ہے اور اچھے اور شریفانہ کاموں کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ الغرض! شرم وحیا انسان کی بہت کی خوبیوں کی جڑ بنیاد اور فواحش ومنکرات سے اس کی محافظ ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم وتربیت میں اس پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا وَخُلُقَ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ (رواہ ابن ماجۃ)

ترجمہ: زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "ہر دین کا کوئی امتیازی وصف ہوتا ہے اور دینِ اسلام کا امتیازی وصف حیا ہے۔" (سنن ابن ماجہ)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَايَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے 70 ہزار بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے۔ وہ، وہ بندگانِ خدا ہوں گے جو منتر نہیں کراتے، شگونِ بد نہیں لیتے اور اپنے پروردگار پر توکل کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری ومسلم)

Fruiti-O
NECTARS & FRUIT DRINKS
Real Taste
Of Nature
Fruiti-O
Guava Nectar
Fruiti-O
Mango Nectar
Contains
chaunsa
Mango Pulp
Shake Before Serving - Keep Refrigerated Once Opened
Fruiti-O
Pomegranate Nectar
fruitiOPakistan
fruitiOPakistan
www.fruitio.com.pk

حضرت مولانا عبد الستار حَفِظَہُ اللہ

کامیابی کے نسخے

قرآنِ کریم اللہ کی کتاب اور اللہ کا کلام ہے، اہلِ اسلام کی ہر قدم پر رہنمائی کرتا ہے، ان کی تربیت کا اہتمام کرتا ہے، جس طرح کے بھی حالات ہوں اور ان حالات کا جو بھی تقاضا ہو ، کتاب اللہ قیامت تک کے لیے رہ نما ہے۔ حال کیسا ہی کیوں نہ ہو، زمانہ کیسا ہی کیوں نہ ہو ، حالات کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں، قرآن اپنے سینے میں ان حالات کے لیے رہ نمائی رکھتا ہے اور ان حالات میں مسلمانوں کے لیے آسمانی ہدایت کا خزانہ رکھتا ہے کہ اس وقت تمہارا مولیٰ تم سے کیا چاہتا ہے۔ قرآنِ مجید اللہ کی زندہ کتاب ہے، جب اسے کھولو تو یوں لگتا ہے یہ آیت ابھی اُتری ہے اور اسی وقت کے لیے اتری ہے اور مسلمانوں کو اِس وقت اِسی رہنمائی کی ضرورت تھی۔ آیئے! اس آیت کی روشنی میں آج کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

آخرت کی اور ہمیشہ کی کام یابی چاہتے ہو تو ان نصیحتوں میں کام یابی سو فی صد یقینی اور ضروری ہے اور بسا اوقات اللہ رب العزت اپنی حکمت سے اس دنیا کے اندر بھی سر کی آنکھوں سے تمہیں دِکھا دیتا ہے، ان نصیحتوں پر عمل کرنے والوں کو اللہ کام یابیوں کی منزلیں طے کروا دیتے ہیں لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کام یاب ہونا چاہتے ہو تو پھر یہ نصیحتیں سنو! اِصْبِرُوْا صبر سے کام لو، وَصَابِرُوْا دشمن کے مقابلے میں مضبوط ہو جاؤ اور ایسے مضبوط ہو جاؤ کہ استقامت، حوصلہ اور ہمت کی ایسی فضا بن جائے کہ کم ہمتی کی بات وہاں عیب بن جائے، وَرَابِطُوْا اور تم مورچوں پر جمے رہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس رِباط کے عجیب فضائل بتائے کہ اسلامی سرحد کی حفاظت اللہ کو راضی کرنے کے لیے، اسلام کے تحفّظ، ملت کے تحفظ کے لیے، کوئی ایک دن بھی اس مورچے پر کھڑا ہو کر چوکی داری کرتا ہے، اسے ایک سو سال کے روزے اور رات کی شب بے داری سے زیادہ ثواب ملتا ہے، کیوں کہ یہ ملت کے تحفّظ کے لیے کھڑا ہے اور فرمایا کہ وہ دن روزے کا ہو، رمضان کا ہو تو ایک دن کا رِباط ایک ہزار سال کے رمضان کے روزوں سے زیادہ اسے فضیلت ملتی ہے۔ صبر اور استقامت کی پوری فضا ہو اور پوری فضا میں حوصلہ اور ہمت ہو۔

6 ستمبر 1965 یومِ دفاع۔۔۔ وطنِ عزیز کی تاریخ میں ایک بہت خوب صورت باب ہے۔ ایک نہایت خوب صورت اضافہ ہے اور ایسا خوب صورت اضافہ کہ جہاں پہلے وطنِ عزیز کے دامن میں مہاجرین تھے تو اب اس کے اعزاز میں اضافہ ہوا کہ اب اس کے دامن میں مجاہدین بھی ہیں، جہاں وطنِ عزیز کی تاریخ میں ہجرت تھی کہ لوگ مہاجر بن کے آئے ہیں، اس کے دامن میں اور اضافہ ہوا، جہاد بھی ہے۔ اسے مہاجر کا اعزاز بھی حاصل ہے اور مجاہد کا اعزاز بھی، ہجرت کا اعزاز بھی ہے اور جہاد کا اعزاز بھی۔۔۔

ایک طرف وطنِ عزیز کی افواج بہادری اور جذبۂ شہادت کے ساتھ مورچوں پر کھڑی تھیں اور دوسری طرف پوری قوم صبر اور استقامت کا پہاڑ بنی کھڑی تھی۔ سبحان اللہ! ایک فضا تھی یک جہتی کی اور اتفاق کا ایک ماحول تھا اور ہر ایک کے اندر جذبۂ جہاد، جذبۂ شہادت اور اس کی حرارت نظر آ رہی تھی، پھر آسمانوں سے اللہ کی مدد اور نصرت کیوں نہ اُترے۔ دنیا نے دیکھا کہ وطنِ عزیز کی افواج اپنی قوم کی اُمیدوں پر کیسے پوری اُتری اور پوری دنیا کے مخلص مسلمانوں کے دل کیسے ٹھنڈے ہوئے اور پوری قوم کس طرح اپنے سارے اندرونی اختلافات و انتشارات اور مفادات سے بالاتر ہو کر اپنی فوج کی پشت پر کھڑی تھی۔ یاد رکھنا

چاہیے کہ یہ اسباب ہیں، جس پر اللہ کی مدد و نصرت کے فیصلے ہوتے ہیں۔
صَابِرُوْا استقامت کی فضا ہو، کم ہمتی کی باتیں نہ ہوں، کم حوصلے کی بات نہ ہو۔ وَرَابِطُوْا مورچوں پر مستعد رہو، تیار رہو۔ مفسّرین نے لکھا ہے کہ رِباط اسے بھی کہتے ہیں، جو دشمن کے مقابلے میں مورچے پر تیار کھڑا رہے اور جو نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے، اسے بھی عربی میں رِباط کہتے ہیں۔۔۔ تو رَابِطُوْا کے دونوں مطلب ہیں کہ تم نے زمینی اور جنگی مورچوں کی بھی حفاظت کرنی ہے اور تم نے اسلامی معاشرے، اسلامی تہذیب، اسلامی شعائر، اسلامی قدروں کے مورچوں کا بھی تحفّظ کرنا ہے۔ دشمن کے مقابلے میں جو زمینی و سرحدی مورچے ہیں، وہاں بھی تمہارے نوجوان مضبوطی کے ساتھ کھڑے ہوں اور پورے معاشرے کے اندر بھی اسلامی ایمانی قدروں کے مورچوں پر جو تم بیٹھے ہو، اسلامی تہذیب کے مورچے پر جو تم بیٹھے ہو، وہاں بھی تیار رہنا، اس لیے کہ ان میں سے کسی ایک مورچے کے اندر بھی سستی دکھائی تو اللہ کی مدد و نصرت اُٹھ جاتی ہے۔ دشمن کے مقابلے کا مورچہ ہو یا شیطانی تہذیب، کفریہ تہذیب کا مورچہ ہو، مسلمانوں کو دونوں جگہ پر مستعد کھڑا ہونا ہے، دونوں جگہ کا تحفّظ کرنا ہے، دونوں مورچوں کی حفاظت کرنی ہے، کیوں کہ تم نے کام یاب ہونا ہے نا! کام یابی چاہتے ہو لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ!!

تمہارے آباؤاجداد کی ایک تاریخ ہے، جب انھوں نے اپنی استطاعت کے مطابق ان روحانی اور ایمانی مورچوں کا تحفّظ کیا تو دنیا نے دیکھا کہ اللہ کی مدد و نصرت کیسے آسمانوں سے اُتری ہے۔ تعداد کتنی ہے، وسائل کتنے ہیں، افرادی قوّت کتنی ہے، مادی نقشوں میں دشمنوں کے مقابلے میں ہم پلہ ہو یا نہ ہو، یہ ساری چیزیں ثانوی حیثیت رکھتی ہیں، ضرورت اس کی بھی ہے، لیکن ثانوی حیثیت رکھتی ہیں، اصل چیز ہے کہ جو تم سے بَن پاتا ہے، تم اس میں کوتاہی نہ کرو، تم اس میں مستعد رہو، تم اس کے لیے تیار رہو۔ دیکھیے! اللہ کے نبی ﷺ بدر میں جا رہے ہیں، اپنے اور دشمن کے سپاہیوں کی تعداد اور وسائل پہ نظر نہیں اور یہ بھی نہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ بس مسجد میں بیٹھ کر دعا کرا کے اللہ تعالیٰ سے فیصلہ کروالیتے، نبی ﷺ سے بڑھ کر کس کی دعا ہو سکتی ہے؟ لیکن سبق یہ ملا کہ اللہ پر توکل اور اس پر مکمل بھروسے کے باوجود ظاہری، مادّی اور عملی طور پر مورچوں پر بیٹھنا ہوگا، دشمن کے سامنے تیاری کرنی ہوگی، جو اپنے سے ٹوٹے پھوٹے اسلحے کی شکلیں ہیں، گھوڑے ہیں، تیار رکھنے ہوں گے۔ اپنی طرف سے ظاہری استعداد، تیاری مکمل رکھنی ہوگی اور سبحان اللہ! اسلامی شعائر میں، اسلامی طرزِ زندگی میں، اسلامی تہذیب میں اس کی کوتاہی بھی کسی درجے برداشت نہیں ہے، پھر دیکھیے بدر میں کیا ہوا! کیسے اللہ کے آسمانی فرشتے اُترے؟ پوری تیاری تھی مورچوں پر، رسول اللہ ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں، مصلّے پر ہی بیٹھ کر دو رکعت پڑھ لیتے۔۔۔ نا، نا! جتنی طاقت ہے، اسے تیار رکھنا ہوگا، مکمل تیاری کے ساتھ دشمن کے مورچوں پر کھڑا ہونا ہوگا اور پوری قوم کو بھی اپنے نوجوانوں کی پشت پر کھڑا ہونا ہوگا اور اپنے دائیں بائیں کی پوری زندگی میں معنوی مورچوں کی بھی حفاظت کرنی ہوگی، بلکہ اگر اسلامی تاریخ دیکھیں تو بسا اوقات اسلامی مورچوں میں کچھ نشیب و فراز آئے، لیکن یہ نشیب و فراز قوموں کی قسمت کے فیصلے نہیں کیا کرتے، قوموں کی قسمت کے فیصلے اس وقت ہوا کرتے ہیں جب قومیں اپنی معنوی مورچوں میں سستی اور کاہلی دکھائے، پھر اس کے فیصلے ہوتے ہیں کہ نسلوں کی نسلیں اپنی اسلامی زندگی سے، ایمانی زندگی سے، اسلامی سرحدوں سے ہمیشہ محروم ہو جاتی ہیں۔ وقتی طور پر مادّی اور سرحدی مورچوں میں نشیب و فراز آتا ہے، وہ اتنے خطرے کی چیز نہیں، اس سے بڑے خطرے کی چیز یہ ہے کہ جب قومیں اپنی معنوی مورچوں سے دست بردار ہو جائیں، پھر اس کی قسمت میں ایسے فیصلے ہو جاتے ہیں کہ ہزاروں سال یہ قوم پیچھے چلی جاتی ہے۔ اسلامی تاریخ ہے یہ وَصَابِرُوْا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ کام یاب ہونا چاہتے ہو تو صبر، استقامت اور ہمت کی فضا بناؤ وَرَابِطُوْا دشمنوں کے مورچوں پر سرحدوں پر مستعد اور تیار رہو۔

میں عرض کر رہا ہوں، پوری قوم بھی اتفاق و اتحاد کی فضا پر ایمان و اسلام کی بنیادوں پر آپس میں دست و بازو اور اپنے عساکر اور اپنی افواج کی پشت پر کھڑی ہے اور ان ساری نصیحتوں کی روح وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا تم ان مورچوں پر کام یاب ہو سکتے ہو، دشمن کے مقابلے میں تم کام یابی پا سکتے ہو، وَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے ڈرتے رہنا، سبحان اللہ! کہیں شریعت کی حدود میں کوتاہی نہ کرنا، کہیں اللہ کا حکم نہ ٹوٹنے پائے، تمہاری مدد و نصرت کے فیصلے، ظاہری وسائل و اسباب سے بڑھ کر ایک اور چیز ہے، وہ ہے اللہ کی عظمت و محبت کو اپنے ساتھ، اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کو اپنے ساتھ لینا! اس پر اللہ کی مدد و نصرت اُترتی ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ اللہ سے ڈرتے رہنا۔

اس وقت دشمن اپنی تمام تر سازشوں اور چالوں کے ساتھ تیاری میں ہے اور یہ دشمن آسانی سے ماننے والا نہیں۔ ہاں! جیسے کسی دور میں امریکا اور برطانیا نے اسرائیل کی پرورش کی تھی مصر کی فوج کو ٹھکانے لگانے کے لیے، حالاں کہ دس سال پہلے مصر نے اسرائیل کو بری طرح شکست دی تھی، لیکن پھر ان طاقتوں نے اسے پالا اور پالنے کے بعد مصری فوج کو ٹھکانے لگا دیا اور اس کے سرحدی اور معنوی سارے مورچے ختم کر دیے۔ بھارت کی شکل میں دنیا کی طاقتوں نے ایک نئی اسرائیلیت کی پرورش کی ہے اور یہ پرورش چائنہ کے مقابلے میں نہیں تھی، وطنِ عزیز کے خلاف تھی۔ دنیائے کفر نے اس کی پرورش کی ہے، اس کو طاقت ور کیا گیا ہے اور دِکھایا گیا دنیا کو چائنہ کے مقابلے میں اسے طاقت ور بنایا جا رہا ہے۔ حقیقت میں وطنِ عزیز دنیا کو برداشت نہیں، اس خطے میں تو یہ دشمن آسانی سے زیر ہونے والا نہیں، اس لیے کہ پوری دنیائے کفر نے ایک سازش کے تحت، منظّم سازش کے تحت ایک نئی اسرائیلیت کو پالا ہے۔ یہ کوئی اتفاقاً نہیں ہوتا، اچانک نہیں ہوا کرتا تو جب ایسے دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہے تو پھر اللہ کی مدد سے اس موقع پر جو یہ ہمارے لیے نصیحتیں اور رہنمائی کی باتیں ہیں صَابِرُوْا ہمت اور استقامت کی فضا بناؤ، کوئی کم ہمتی کی بات نہیں، کم حوصلے کی بات نہیں، ذاتی مفادات اور وقتی مفادات کو بنیاد بنا کر اختلافات نہیں وَرَابِطُوْا تم دشمن کے مقابلے میں بھی چوکنّا رہو اور اسلامی شعائر کی جو سرحدیں ہیں، ان کی بھی تم حفاظت کرو اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو، پھر اللہ کا وعدہ ہے لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ پھر کام یاب تم ہی ہو گے۔

نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے واقعات اور اولیاء اللہ کے دور کے واقعات شاید ہمیں بہت دور کے لگیں اور ہم سوچیں ان جیسا بننا کہاں آسان ہے؟ اور ہم سوچیں اللہ کی وہ مدد ان کے لیے تھی۔۔۔ نہیں نہیں! 1965 کا منظر آپ کے سامنے ہے۔ 1965 کا منظر نامہ آپ کے ملک کی ایک خوب صورت تاریخ ہے کہ آپ کے نوجوان کس انداز میں اپنی قوم کی اُمیدوں پر پورا اُترے اور کیسے محیر العقول عقلیں دنگ رہنے والے کارنامے سر انجام دیے۔ ہمیں اُمید ہے کہ ملک کا سپاہی ان شاء اللہ قوم کی اُمیدیوں پر پورا اُترے گا اور پورے وطنِ عزیز کے عوام کی بھی ذمہ داری ہے کہ پورے ملک میں ایسی فضا بنائیں، ایسا ماحول بنائیں کہ ہمت کی بات، حوصلے کی بات، استقامت کی بات اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اللہ کی حدود کا خیال رکھیں، تاکہ اللہ کی مدد و نصرت ہمارے ساتھ ہو۔

اللہ رب العزت مجھے بھی اور آپ کو بھی عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

علمِ تفسیر

سید رشید عطا

لغوی معنی: لفظِ تفسیر "فَسَّرَ" سے بنا ہے۔ اس کے معانی کھولنا، بیان کرنا اور واضح کرنا ہیں۔

اصطلاحی معنی: علامہ ابو عبداللہ بدرالدین محمد بن عبداللہ بن بہادر زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے البرہان میں تفسیر کی تعریف لکھی ہے۔

1 جس کے ذریعے قرآنِ کریم کو سمجھا جائے۔

2 قرآنِ کریم کے معانی کی وضاحت ہو۔

3 قرآن کے احکام سمجھ آئیں۔

4 قرآنِ کریم کی حکمتوں کو کھولا جائے۔

تفسیر کے مآخذ: مآخذ کے معنی ہیں "لینے کی جگہ" تفسیر کے مآخذ سے مراد وہ ذرائع جن کے ذریعے قرآن کی تفسیر کی جائے۔

تفسیر قرآن: اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا قرآن خود قرآن کی تفسیر کرتا ہے۔ ایک جگہ اجمال ہے، یعنی مختصر! واضح نہ ہونا، جبکہ دوسری جگہ اس کی تفصیل ہے۔

1 پہلا ماخذ، تفسیر القرآن بالقرآن: مفسّرین کی اصطلاح میں اس کو "تفسیر القرآن بالقرآن" یعنی قرآن کی تفسیر قرآن کے ذریعے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(ا) تفسیر القرآن بالقرآن متّصلاً (ملی ہوئی)

(ب) تفسیر القرآن بالقرآن منفصلاً (الگ)

قرآنِ کریم کا مُفسّر خود اللہ تعالیٰ ہے، جیسا کہ ارشادِ گرامی ہے:

وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا (الفرقان: 33)

ترجمہ: اور وہ آپ کے پاس کوئی کہاوت نہ لائیں گے، مگر ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے۔

پہلی مثال: سورۃ الفاتحہ کو ہی لیجیے، اس کی دونوں آیتیں اس طرح ہیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ (الفاتحۃ: 6،7)

ترجمہ: ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما، ان لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا ہے، نہ کہ ان لوگوں کی جس پر تو نے اپنا غضب کیا۔

جن پر انعام کیا گیا ہے، اس کی تفسیر "سورۃ النساء" کی درج ذیل آیت میں کی گئی ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا (النساء: 69)

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے، جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدّیقین، شہدا اور صالحین اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔

دوسری مثال: فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (البقرۃ: 37)

ترجمہ: پھر آدم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے (توبہ کے) کچھ الفاظ سیکھ لیے، (جن کے ذریعہ انھوں نے توبہ مانگی) چناں چہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی، بے شک وہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔

اس آیت میں کلمات کا تذکرہ ہے، مگر وہ کلمات کیا تھے؟

دوسری آیت میں اس کی تفسیر موجود ہے: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (الاعراف: 23)

دونوں بول اٹھے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گذرے ہیں اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔

تیسری مثال: سورۃ الانعام کی آیت نازل ہوئی:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (الانعام: 82)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انھوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہ دیا، امن و چین تو بس ان ہی کا حق ہے اور وہی ہیں جو صحیح راستے پر پہنچ چکے ہیں۔

تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ "ہم میں سے کون ایسا ہے، جس سے (کسی نہ کسی طرح کا) ظلم صادر نہ ہوا ہو؟" تو اللہ نے ظلم کی تفسیر و مراد کو واضح کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان: 13) ترجمہ: شرک ظلم عظیم ہے۔

یعنی آیت بالا میں ایمان کے ساتھ جس ظلم کا تذکرہ آیا ہے، وہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔

2 دوسرا ماخذ، تفسیر القرآن بالحدیث والسیرۃ: قرآنِ پاک کی تفسیر رسولِ اکرم ﷺ کے اقوال و افعال کی روشنی میں کرنا، تفسیر القرآن بالحدیث والسیرۃ کہلاتا ہے۔

3 تیسرا ماخذ، تفسیر القرآن با قوالِ الصحابہ رضی اللہ عنہم: حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چوں کہ بجا طور پر خیرِ امت کہلانے کے مستحق ہیں، جنھوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے براہِ راست قرآنِ کریم کی تعلیم و تربیت حاصل کی، ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اپنی پوری زندگی اس کام کے لیے وقف کر دی کہ قرآنِ کریم اور اس کی تفسیر و تاویل کو بلا واسطہ آپ ﷺ سے حاصل کریں۔

4 چوتھا ماخذ: تفسیر القرآن با قوال التّابعین: وہ حضرات تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جنھوں نے حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحبت اٹھائی ہو اور ان کی صحبت سے علمی استفادہ کیا ہو۔

5 پانچواں ماخذ: تفسیر القرآن بلغتِ العرب: ایسی جگہ جہاں قرآن و سنت و آثارِ صحابہ و تابعین رحمہم اللہ میں سے کوئی صراحت نہ ملے تو آیت کی تفسیر لغتِ عرب کے عام محاورات (جن کا چل چلاؤ ہو) کے مطابق کی جائے گی۔

6 چھٹا ماخذ، تفسیر القرآن بعقلِ سلیم: عقلِ سلیم کے ذریعہ ان حقائق اور اسرار پر غور و فکر کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا اور جس شخص کو بھی اللہ تعالیٰ نے علم و عقل اور خشیت و تقویٰ اور رجوع الی اللہ کی صفات سے مالا مال کیا، وہ تدبیر کے ذریعہ نئے نئے حقائق تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، چناں چہ ہر دور کے مفسّرین کی تفسیریں اس بات کی واضح دلیل ہیں اور نبی اکرم ﷺ کی دعا جو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لیے تھی:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ (صحیح بخاری)

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے مجھے (سینے سے) لگا لیا اور دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ "اے اللہ! اسے علم کتاب (قرآن) عطا فرمائیو۔ (صحیح بخاری)

حجاب

حمیرا علیم

اکثر سننے کو ملتا ہے، "پردہ دل کا ہوتا ہے، آنکھ کا ہوتا ہے، فلاں تو اتنے نیک شریف ہیں، ان سے کیا پردہ۔۔۔" تو آئیے! دیکھتے ہیں کیا یہ صحیح ہے یا غلط۔ پردہ یا حجاب کسی ملک، علاقے یا کمیونٹی کا رواج نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ قرآنِ پاک کی دو سورتوں میں یہ حکم کچھ یوں آتا ہے۔

"اور آپ مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو (از خود) اس میں سے ظاہر ہو اور اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں اور اپنا بناؤ سنگھار ظاہر نہ کریں، مگر اپنے خاوندوں پر یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے خاوندوں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے بیٹوں پر (سوتیلے) یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنے دائیں ہاتھ کی ملکیت (کنیزوں) پر یا عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے نوکر مردوں پر یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی پردوں سے واقف نہ ہوں اور وہ عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ اپنی جو زینت انھوں نے چھپا رکھی ہے، وہ معلوم ہو جائے اور اے مومنو! تم مجموعی طور پر توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (النور: 31)

"اے نبی (ﷺ) کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم متقی اور پرہیز گار ہو تو (نامحرم سے) آہستگی اور نرمی سے بات نہ کیا کرو کہ پھر وہ شخص جس کے دل میں روگ ہو طمع و لالچ کرنے لگے اور تم صاف اور سیدھی بات کیا کرو اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور گزشتہ دورِ جاہلیت کی زیب و زینت کی نمائش کی مانند زیب و زینت کی نمائش نہ کرتی پھرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔ بے شک اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمھیں پاک صاف کر دے۔" (الاحزاب: 32-33)

"اللہ حق بات سے نہیں شرماتا، جب تم ان سے (نبی ﷺ کی ازواج) کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔ یہ بات تمھارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔" (الاحزاب: 53)

"عورتوں پر اپنے باپوں اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور اپنی عورتوں اور جن کے مالک کے ہیں، ان کے دائیں ہاتھ (لونڈی) کوئی گناہ نہیں (ان کے سامنے آنے سے) تم اللہ سے ڈرتی رہو، بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔" (الاحزاب: 55)

"اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، یہ زیادہ قریب ہے، تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور انھیں ایذا نہ پہنچائی جائے اور اللہ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔" (الاحزاب: 59)

ان آیات میں کچھ چیزیں واضح ہیں۔

1. یہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ اپنے گھر میں موجود محرمات کو پردے کا حکم دے اور اس پر عمل بھی کروائے۔
2. عورتیں پردے کے ساتھ ساتھ نظر نیچی رکھیں، تاکہ کوئی غلط چیز نہ دیکھیں اور فتنہ میں نہ پڑیں۔
3. اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کی ضمانت دے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔"
4. اپنی زینت ظاہر نہ کریں، مگر جو از خود ظاہر ہو جائے۔ عورت سر سے پاؤں تک اپنے آپ کو چھپائے، مگر اگر ہاتھ، پاؤں یا آنکھیں کھلی رہیں تو کوئی حرج نہیں۔
5. دوپٹے سے سینے کو ڈھانپے رکھیں اور اپنی زینت کسی نامحرم کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ زینت میں کپڑے، میک اپ جیولری سب آ جاتا ہے۔
6. محرم رشتے صرف وہی ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ پاک میں بتا دیے ہیں اور وہ یہ ہیں: والد اور سسر، دادا اور نانا، شوہر کے دادا اور نانا، بھائی، بھانجا، بھتیجا، اپنا بیٹا اور شوہر کا پہلی شادی سے بیٹا۔
7. عورتوں کے سامنے پردہ نہ کیا جائے تو خیر ہے، مگر ستر ان کے سامنے بھی کھولنے سے منع کیا گیا ہے۔
8. زمین پر پاؤں مارتی ہوئی نہ چلیں، یعنی اس انداز سے نہ چلیں کہ آواز پیدا ہو اور مرد ان کی طرف متوجہ ہوں، یعنی ہیل والا جوتا یا پائل نہ پہنیں۔
9. مسلمان عورتیں عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں، سو اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتی ہیں تو نامحرم سے اچھی طرح بات نہ کریں، یعنی آواز میں نرمی یا لوچ نہ ہو، لہجہ سخت رکھیں، تاکہ وہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو، مثلاً وہ یہ خیال نہ کرے کہ آپ اسے پسند کرتی ہیں اور اس سے کوئی تعلق قائم کرنا چاہتی ہیں۔
10. مسلمان عورتیں گھر میں رہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام عورتوں کو گھر میں قید رکھنا چاہتا ہے، ہرگز نہیں! اس کا مطلب ہے کہ فضول گھومتی پھرتی اور وقت ضایع نہ کرتی رہیں۔ اپنا وقت دین و دنیا کی تعلیم پر اور بچوں کی تربیت میں صرف کریں۔

احادیث میں ہے:

"عورت کے لیے گھر میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔"

"عورتوں کے لیے سب سے بہترین جگہ گھر اور بدترین جگہ بازار ہیں۔"

11. دورِ جاہلیت میں خواتین زیادہ تر وقت اپنے آپ کو سنوارنے میں بسر کرتی تھیں۔

اسرائیلی روایات میں ایسی خواتین کا ذکر ملتا ہے، جنھوں نے ہیل والے جوتے، بالوں کا جوڑا ایجاد کیے، تاکہ لمبی لگیں، ایسی انگوٹھی بنائی جس میں وہ خوش بو ڈال کر بازار جاتیں اور چلتے چلتے اس کو بٹن دبا کر کھولتیں تو خوش بو پھیل جاتی اور مرد ان کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ پائل بنائی جسے پہن کر باہر جاتیں تو اس کی آواز پر مرد ان کی طرف دیکھتے۔ بالوں کو لمبا دکھانے کے لیے وِگ بنائی۔ یہ سب کچھ وہ مردوں کو متوجہ کرنے کے لیے کرتی تھیں تو ان سے مشابہت کو منع کیا گیا ہے۔

12 نماز نہ صرف پڑھیں، بلکہ وقت پر اور پابندی سے پڑھیں۔

13 زکوۃ دیں۔ اس سے پتا چلتا ہے، مرد بیوی کے زیورات کی زکوۃ دینے کا پابند نہیں ہے، جو خرچہ وہ اسے دیتا ہے، اس میں سے ادا کرے یا کوئی زیور بیچ کر ادا کرے۔

14 اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کریں، اپنے گھروں میں سنت کو رواج دیں، تاکہ اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کی رضا ہو اور ہماری بخشش کا سبب۔

15 جب کسی نامحرم سے کچھ لینا ہو تو پردے کے پیچھے سے لیں۔ آیت کے اس حصے سے بھی واضح ہوتا ہے کہ پردہ مکمل جسم کو چھپا کر ہوگا، لیکن اگر ہاتھ دکھائی دے جائے تو کوئی بات نہیں۔ پردے کے پیچھے سے ہم چہرہ اور اوپر والا دھڑ نکال کر تو چیز نہیں لیتے۔

16 پردے سے نہ عورتوں کے دل میں کوئی برا خیال آئے گا، نہ مردوں کے دلوں میں، اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ایک دور میں اس کے بندے یہ کہیں گے کہ پردہ دل کا ہوتا ہے۔

17 مسلمان عورتیں اپنے اوپر چادریں لٹکالیں۔ اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی ہینگر یا اسٹینڈ لے کر اس کو لٹکالیں، بلکہ سر پر اس طرح اوڑھیں کہ پاؤں تک لٹک رہی ہو اور سارا جسم ڈھک جائے۔ اسکارف اور گاؤن بھی اس مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ لباس بھی ایسا ہونا چاہیے کہ جسم کی بناوٹ ظاہر نہ ہو۔

18 یہ سب اس لیے کہ مسلمان عورتیں کہیں بھی ہوں، وہ اپنے حلیے سے پہچان لی جائیں اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ عام طور پر بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ نامکمل لباس والی خاتون کو زیادہ ہراساں کیا جاتا ہے، بہ نسبت پردے والی خاتون کے۔

19 اللہ تعالیٰ یہ سب کرنے کا حکم اس لیے دیتا ہے، تاکہ وہ ہماری بخشش فرمائے، پاک کرے اور کامیاب کرے۔

سب چیزیں بالکل واضح ہیں۔ قرآن کے الفاظ بالکل واضح ہیں، مگر جن کو نہیں ماننا، وہ کوئی نہ کوئی نکتہ نکال ہی لیتے ہیں۔ مثلاً یہ تو نبی ﷺ کی ازواج کے بارے میں ہے، عام عورتوں کے بارے میں نہیں۔ چلیں مان لیتے ہیں، یہ احکام نبی ازواج مطہرات کے لیے ہیں تو جناب اگر ان جیسی معزز خواتین کو یہ تمام کام کرنے کا کہا جا رہا ہے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود سورۃ الاحزاب کی آیت 53 کے آخر میں فرماتے ہیں: ”اور تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ تم آپ کی بیویوں سے آپ کے بعد کبھی بھی نکاح کرو، بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔“

یعنی تمام ازواج مطہرات کو رہتی دنیا کے مردوں کے لیے محرم قرار دے دیا۔ اسی لیے ہم انھیں ”امہات المومنین“ بھی کہتے ہیں، یعنی ”سارے مسلمانوں کی مائیں۔“

اور حکم کن کو دیا جا رہا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو بہترین انسان تھے، جو اس وقت تک ایک آیت سے دوسری پر نہیں جاتے تھے، جب تک کہ اس آیت پر عمل نہ کر لیں۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو اپنی جان مال اولاد اور والدین سے بڑھ کر نبی ﷺ اور ان کی ازواج کا احترام کرتے تھے۔

سوچیے! کیا ہم نعوذ باللہ امہات المومنین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ پاک اور اپنے نفس پر قابو پانے والے ہیں؟ جو اللہ تعالیٰ نے انھیں پردے کے احکام دیے، مگر ہمیں ان سے مستثنیٰ قرار دے دیا؟

پھر انہی آیات میں مومن مردوں کو بھی تو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی بیویوں اور عورتوں کو پردے کا کہیں تو اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

اب ذرا دیکھ لیتے ہیں کہ یہ حکم کیوں دیا گیا اور اس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ تو کفار ہر وقت مسلمانوں کو تنگ کرتے رہتے تھے۔ ایک دن ایک مسلمان خاتون بازار گئیں تو ایک کسی کافر نے ان کے آزار کو کانٹے سے زمین میں پھنسا دیا، جب وہ چلیں تو آزار کھل گیا اور سب کفار نے انھیں ہراساں کیا، جب نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پتا چلا تو عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ”آپ خواتین کو پردے کا حکم دیں۔“ مگر چوں کہ اس سلسلے میں ابھی کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی، سو نبی ﷺ خاموش رہے۔

جب اس کافر سے بات کی گئی کہ اس نے ایک مسلم خاتون سے بدتمیزی کیوں کی؟ تو اس نے کہا میں سمجھا کوئی لونڈی ہے۔ سو ایک لونڈی اور ایک معزز خاتون میں فرق کرنے کے لیے فرمایا گیا کہ جب مسلمان خواتین گھر سے باہر نکلیں تو جلباب اوڑھ لیں۔

”جلباب“ ایک بڑی سی چادر کو کہتے ہیں، جو سر پہ ڈال کر اس طرح لپیٹ لی جاتی ہے کہ صرف ایک آنکھ نظر آئے، جس سے دیکھا جا سکے۔ لوگ پردے کی حکمت بھول کر بس اس بحث میں پڑ جاتے ہیں کہ جسم کو کتنا ڈھانپنا چاہیے۔

کچھ لوگوں کے خیال میں صرف سر اور جسم کو ڈھانپ لینا کافی ہے، چہرے کا پردہ نہیں ہے تو ذرا بتائیے! کیا ہم پردے کے پیچھے سے چہرہ اور ہاتھ نکال کر چیز لیتے ہیں یا صرف ہاتھ نکال کر اور چہرہ ہی تو اصل اٹریکشن کا مرکز ہے۔ کیا کبھی کسی مرد نے کسی خاتون کے ہاتھ، پاؤں یا حجاب دیکھ کر اسے پسند یا پرپوز کیا ہے؟؟؟ نہیں! اسی لیے شادی سے پہلے مرد کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ ایک بار خاتون کو دیکھ لے، اگر چہرے کا پردہ نہ ہوتا تو یہ اجازت چہ معنی دارد؟ پھر ایک اور نکتہ اٹھایا جاتا ہے کہ دورانِ حج اور عمرہ بھی تو چہرہ کھلا رکھنے کا حکم ہے تو یہی کہا جا رہا ہے کہ چہرے کا پردہ ہے، اسی لیے حج اور عمرہ پہ یہ خصوصی رخصت دی گئی ہے کہ چہرہ کھلا رکھ سکتے ہیں اور اس کی حکمت یہ ہے کہ حج اور عمرہ میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہوتی ہے، رش ہوتا ہے، بعض اوقات سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے تو عورت کی آسانی کے لیے یہ رخصت دی گئی ہے۔

نبی ﷺ کی احادیث سے پتا چلتا ہے کہ نامحرم کو چھونا کتنا بڑا گناہ ہے۔

معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی کیل ٹھونک دی جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم کسی نامحرم کو چھوؤ۔“ (طبرانی 486)

”عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے کبھی کسی نامحرم سے ہاتھ نہیں ملایا، جب بیعت کے لیے خواتین آتیں تو نبی ﷺ انھیں کہتے تمھاری بیعت ہو گئی۔“

نبی ﷺ نے فرمایا: هَلُمَّ نُبَايِعْكَ يَارَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنِّي لَا أُصَافِحُ النِّسَاءَ

ترجمہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں، تاکہ ہم آپ کی بیعت کریں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔“ (سنن نسائی، ابن ماجہ)

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ ”تم کسی لتھڑے ہوئے سور سے ٹکرا جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی نامحرم کو چھوؤ۔“

ان آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ واضح ہے کہ عورت کو سارا جسم چھپانا چاہیے۔ پردہ وہی ہے جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔

گلِ نیم

حکیم شمیم احمد

نیم کو عربی اور فارسی میں نیب اور انگریزی میں MargosaTree کہتے ہیں اور اس کا نباتاتی نام Azadirichta ہے۔ نیم کا درخت کسی تعریف کا محتاج نہیں، یہ سدا بہار درخت ہے۔ مارچ کا مہینہ اس میں پھول لگنے کا ہوتا ہے اور جون میں اس کا پھل پک جاتا ہے، جس کو نبولی کہتے ہیں۔ نیم کے درخت کے تنے سے ایک قسم کا گاڑھا مادہ خارج ہوتا ہے، اس کو نیم کا مدھ کہتے ہیں۔ یہ سِل، دق، آتشک اور جذام میں مفید ہے، نیم کے درخت کی عمر دو سو برس سے پانچ سو برس تک ہوتی ہے، اس کے تمام اجزا پھول، پھل، پتے اور چھال دواؤں میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس کا مزاج پہلے درجے میں سرد اور دوسرے درجے میں خشک بتایا ہے۔ نیم کا درخت ہند و پاک اور برما کے تقریبًا تمام ہی حصوں میں پایا جاتا ہے۔ یوپی کی خشک آب و ہوا اس کو بہت موافق ہے۔ نیم کے درخت میں چھوٹے چھوٹے سفید پھول کھلتے ہیں، ان میں بہت مہک ہوتی ہے۔ خصوصاً شام کے وقت درخت کے پاس سے گزریں تو اس کی تیز خوش بو مسحور کر دیتی ہے۔ نیم کے خشک پھول روئی میں لپیٹ کر موٹی سی بتی تیار کر لیں، اسے سرسوں کے تیل میں کسی پلیٹ کے اندر رکھ کر جلا لیں۔ پلیٹ کے اوپر ایک طرف مٹی کی پلیٹ رکھ لیں، جس پر دھواں لگ کر کاجل بن جاتا ہے، یہ کاجل بچوں بڑوں کے لیے بہت مفید ہے، اس کے استعمال سے آنکھیں صاف رہتی ہیں اور خارش لالی اور آنکھوں سے پانی بہنا بند ہو جاتا ہے، بعض لوگ ان پھولوں کو خشک کر کے سوپ اور کھانوں میں بطورِ مسالا استعمال کرتے ہیں۔ نیم کے تھوڑے سے پھول لے کر پانی میں اچھی طرح ابال لیں اور چھان کر صبح و شام غرغرہ کریں تو یہ ایک اچھے ماؤتھ واش کا کام دیتا ہے، اس سے مسوڑھوں کی تکلیف دور ہو جاتی ہے اور وہ مضبوط ہو جاتے ہیں، ان سے نہ خون آتا ہے نہ دانتوں میں کیڑا لگتا ہے۔ پہلے زمانے میں جب ٹوتھ پکس نہیں ہوتی تھیں تو نیم کی باریک شاخیں گل دستے کی شکل میں دھاگے سے باندھ کر کمرے میں رکھ دی جاتیں اور کھانے کے بعد ان سے خلال کیا جاتا تھا۔ ناک کے غدود بڑھ جائیں تو بہت تکلیف ہوتی ہے، رات کو سانس لینا دوبھر ہو جاتا ہے، خاص کر بچے اس کی وجہ سے سوتے میں منہ سے سانس لیتے ہیں، ایسی صورت میں مٹھی بھر نیم کے پتے لے کر تین گلاس پانی میں خوب پکا کر چھان لیں، اس میں ذرا سا لاہوری نمک شامل کر لیں، یہ نیم گرم پانی ہاتھ میں لے کر ناک میں اس طرح ڈالیں جیسا وضو کرتے وقت ڈالتے ہیں، اس سے ناک کا غسل ہو جائے گا۔ تین ہفتے تک ایسا کرنے سے ناک کے غدود ٹھیک ہو جاتے ہیں، یہ بالکل بے ضرر علاج ہے، اس مقصد کے لیے بیس پتے کافی ہیں، پانی روزانہ تازہ تیار کریں۔

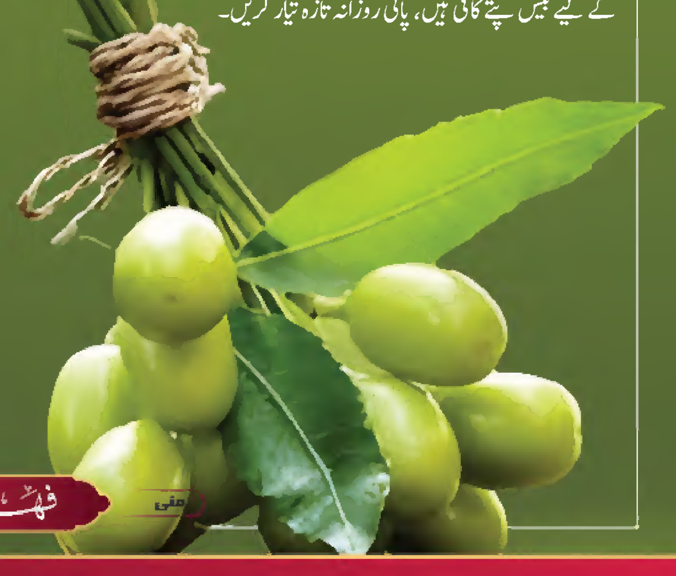

نیم پر نمولیاں لگتی ہیں جو پک کر پیلی ہو جاتی ہیں۔ برسات کے موسم میں یہ نمولیاں روزانہ کھانے سے خون صاف رہتا ہے۔ یہ نمولیاں گیارہ سے اکیس عدد تک روزانہ کھانے سے سال بھر نہ الرجی ہوتی ہے نہ ہی خارش، اسی طرح نیم کے پتے اور ٹہنیاں کچل کر ان کا رس نکالا جاتا ہے، اسے سوجی میں بھون کر حلوہ تیار کیا جاتا ہے۔ پانچ چھ دن تک یہ حلوہ سب گھر والے کھائیں تو اس سے گرمی دانے نہیں نکلتے اور نہ ہی خارش کی شکایت ہوتی ہے۔ درخت پر پکی ہوئی نمولیاں چوسنے سے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں۔ مغز نیم سے نکالا ہوا تیل خراب زخموں کے لیے مفید ہے۔ برس ہا برس سے نیم کا تیل بالوں کی خشکی سکری دور کرنے اور انھیں گھنے سیاہ اور مضبوط بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ مغز تخم نیم کا روغن سرسوں کے تیل میں ملا کر سر میں لگانے سے فائدہ ہوتا ہے۔ نیم و ناریل کا تیل بھی ملا کر استعمال کرتے ہیں۔ لبوبِ سبعہ یعنی سات قسم کا تیل اس میں نیم کا تیل ملا کر گرتے بالوں کے لیے سر میں لگاتے ہیں۔ اس کے علاوہ نیم اور بیری کے پتے بھی کچل کر پیس کر سر میں لگاتے ہیں۔ اس سفوف کے لگانے کے دو گھنٹے بعد سر کو دھو لیا جاتا ہے، بعض لوگوں خصوصًا خواتین کے سر میں جوئیں ہو جاتی ہیں اور کسی طرح ختم ہونے میں نہیں آتیں، ایسے لوگوں کے لیے ایک بہت ہی خاص نسخہ پیش خدمت ہے۔

هوالشافی. نمولیاں خشک پیس کر بالوں کے حساب سے چار، پانچ بڑے چمچے پانی میں بھگو کر سر کی بالوں کی جڑوں میں اچھی طرح رات کو لگا لیں، جب سوکھ جائیں تو ململ کا کپڑا باندھ کر سو جائیں، صبح اٹھ کر سر دھو لیں، ہفتے میں تین چار مرتبہ یہ عمل دہرائیں، ان شاء اللہ ساری جوئیں مر جائیں گی۔ چہرے کی خشکی اور مہاسوں کے لیے روزانہ خشک نمولیاں پیس کر تھوڑے سے دودھ میں ملا کر ماسک کی طرح چہرے پر دس منٹ کے لیے لگائیں، بعد میں منہ دھو کر مہاسوں پر نیم کے پتوں کو پیس کر تھوڑا سا لگا لیں۔

نیم کے کیڑے مار ادویہ پر پہلا سائنسی مقالہ 1929 میں لکھا گیا تھا، مگر اس کی افادیت کا لوگوں کو اس وقت پتا چلا جب ایک جرمن سائنس دان نے انکشاف کیا کہ سوڈان میں ٹڈی دَل کے حملے سے نیم کے درخت محفوظ رہے۔ امریکا میں 1972 میں سائنس دانوں نے پودوں پر پھپھوندی اور دیگر لگنے والے کیڑوں کو نیم کے تیل کا اسپرے کر کے محفوظ کیا۔ ڈاکٹر غلام جیلانی اور ان کے معاونین نے نیوکلیئر انسٹی ٹیوٹ فار ایگریکلچر فیصل آباد میں اناج کو کیڑے مکوڑوں سے بچاؤ کے لیے نیم کے تیل کا اسپرے استعمال کیا، اس طرح ایک اور محقّق ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی مرحوم نے بھی اپنے معاونین کے ساتھ عالمی معیار کا کام کیا ہے۔ اناج محفوظ رکھنے کے لیے عالمی جرائد میں نیم کے بارے میں بہت کچھ شائع ہوا ہے۔ امریکا میں بھی یہ موضوعِ تحقیق ہے، اس لیے کہ کیڑے مار ادویہ اپنے مابعد اثرات رکھتی ہیں جبکہ نیم کسی قسم کے زہریلے اثرات نہیں رکھتا، اس لیے کرم کش ادویات نیم سے تیار کی جارہی ہیں۔ ایک بچے کو مطب میں لایا گیا، جس کا پورا منہ زخموں سے بھرا ہوا تھا اور اس کے لیے دودھ پینا تک محال تھا۔ اس کو نیم کی چھال گھس کر لگوائی گئی اور وہ جلد ہی صحت یاب ہو گیا۔ اسی طرح ایک اور بچے نے ماچس کی تیلی سے دانتوں میں پھنسی ہوئی غذا نکالنے کی کوشش کی اور اس کے منہ میں سیپٹک ہو گیا۔ اس کو نیم کے پتوں سے مسلسل چند روز کلیاں کروائی گئیں، الحمد اللہ! بغیر اینٹی بائیوٹک دوائیں دیے سیپٹک دور ہو گیا۔ شیخ الرئیس ابنِ سینا نے ایک موقع پر اپنے شاگردوں کو بتایا کہ مرض کینسر (سرطان) کا علاج نیم سے ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں قدرتی سلفر رکھی ہے۔

نوجوانوں کے مسائل

عذرا خالد

پہلا مرحلہ --- بچپن:

اور روح کے حصول کے بعد اس دنیا میں وارد ہوتا ہے تو فوراً ہی اللہ اسے اعلیٰ درجے کا شعور (consciousness) عطا کر دیتا ہے۔ اب وہ زندہ انسان اور پانچ حواسوں اور ایک صاف ستھرے دل اور دماغ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اَن گِنت اعضا اور جسمانی نظام اور اس کے لیے درکار دیگر جسمانی سہولیات بھی ہوتی ہیں۔ شعور اس کو ان اعضا اور نظاموں سے صحیح یا غلط افعال کرنے کے قابل بناتا ہے۔

یہ بچہ کہلاتا ہے اور اس کے تخلیق سے اب تک گزارے اربوں سال بھول کر ہم اسے صفر عمر کا بچہ کہتے ہیں۔

اللہ نے اسے لامتناہی علم دیکر بھیجا ہوتا ہے اور ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ لاتعداد چیزیں سیکھتا ہے۔ ان سیکھنے والی چیزوں میں سوال وجواب کرنا اور محفوظ معلومات کو جوڑ کر نئی معلومات حاصل کرنا بھی سیکھتا ہے۔ اس کی ذہنی صلاحیتوں کے ساتھ جسمانی صلاحیتوں میں بھی ہر روز اضافہ ہوتا ہے۔

ان سیکھی چیزوں میں چند اہم ترین چیزیں پیروں پر کھڑا ہونا، چلنا، ماحول میں بولی جانے والی زبان اور فیصلہ کرنے کے طریقے ہیں۔ بچپن کا یہ دور 12 سال کی عمر تک رہتا ہے۔ ان 12 سال میں بھی مختلف مراحل ہیں۔

لیکن بچپن ہمارا موضوع نہیں تو بس اتنا ہی کافی ہے۔

نوجوانی: اس قدر تیاری کے ساتھ انسان 13 سے 18 سال کی نوجوانی کی عمر میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر یہ نوجوان جوانی کی عمر کو سدھار جاتا ہے۔

نوجوانی زبردست جسمانی اور ذہنی تبدیلیوں کا ایک اور دور ہے، جس میں انسان شدّت سے اپنی شناخت اور معاشرے میں جگہ کی تلاش کرتا ہے۔

جسمانی تبدیلیاں: ◆ جسمانی اعضا کا قوی ہونا۔

ذہنی تبدیلیاں: ◆ عقائد اور اقدار کی تشکیل ◆ مستقبل کے بارے میں سوچ۔

سماجی تبدیلیاں: ◆ خاندان سے آزاد ہونا ◆ دوستوں سے قریب ہونا

◆ ہم عمر لوگوں سے تعلق کی خواہش

نوجوانوں کی اہمیت:

یہ فقرہ ساری دنیا میں زبانِ زدِ عام ہے کہ

نوجوان! قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت بھی ہے۔

کاروبار کرنے والے جانتے ہیں سرمایہ اگر عقل مندی سے لگایا جائے (خرچ سمجھ کر استعمال نہ کر دیا جائے) تو بہت اچھے نتائج لاتا ہے، لیکن اگر اسے لاپروائی کی نذر کر دیا جائے تو یہ خود بھی تباہ ہو جاتا ہے اور نتائج بھی خوفناک لاتا ہے۔

نوجوانوں کی خوبیاں: جس ملک میں بھی نوجوانوں کے مسائل پر کماحقّہ توجہ دی جائے گی، وہ ملک ترقی کی راہ میں بڑی کامیابیاں حاصل کرے گا۔ یہ نوجوانی، وہ دور ہے کہ جو اپنی کم طوالت کے باوجود انسان کی پوری زندگی پر طویل المیعاد اور دائمی اثرات مرتّب کرتا ہے۔ نوجوانوں کی اہمیت کی وجہ ان کی بچپن کی تربیت، موجود توانائی، ذہانت، بے خوفی، وسیع و عریض خوابوں اور ان کے حصول کی انتھک کوششوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ان کو وقت کی کمی کی شکایت نہیں ہوتی۔

نوجوان توانائی اور شادابی کی آماجگاہ ہوتے ہیں۔ ان کی روح بھی شاداب و توانا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق جوانی کو قدرتی نعمتوں اور مادی دنیا کو وسائل کے طور پر استعمال کر کے اس کو قربِ الٰہی کے بلند مقامات پر پہنچتے دیکھنا چاہتا ہے۔

نوجوانوں کے مسائل: نوجوان کو خود مختاری سے رغبت ہوتی ہے۔ ان کی فطرت میں سر اٹھا کے چلنا ہے، کسی کا اسیر اور تابع نہیں رہنا۔ نوجوان فیصلہ کرنے کے ہنر کو سیکھ رہے ہوتے ہیں۔ جذباتیت اور تجربات و مواقع کی کمی کے باعث شروع میں وہ کمزور یا غلط فیصلہ کر سکتے ہیں۔

ہمارے معاشرہ اور نوجوانوں کی اہمیت: پاکستان کی آبادی کا بہت بڑا حصہ نوجوانوں پر مشتمل ہے اور نوجوانوں کے نئے قافلے یکے بعد دیگر مسلسل آ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں نوجوانوں کی اہمیت اور مستقبل بالکل واضح اور عیاں ہے۔ پاکستانی نوجوان فطری طور پر اصلاح پسند، عدل وانصاف کا خواہاں، قانونی آزادی اور اسلامی اُمنگوں کو عملی جامہ پہنائے جانے کا خواہشمند ہے۔

اسلامی اہداف اور مقاصد اس کے اندر ہیجانی کیفیت اور جوش وجذبہ پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ موازنے کے ذریعے چیزوں کی خامیوں کی نشان دہی کر کے انھیں دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ بہت بڑی خصوصیت ہے۔

ہم نوجوانوں کی کیسے مدد کریں؟

اگر ہم نوجوانوں کے مسائل کی وجہ اور ان کے حل تلاش کریں تو ان کا منبع جوانوں اور بزرگوں کے ان کے ساتھ رویے ہیں۔ جوانی خوبیوں، خواہشوں، خوابوں اور کر گزرنے کی صلاحیتوں سے بھرا دور ہے۔ یہ سب خصوصیات اگر استعمال میں لائی جائیں تو معاشرہ کے لیے حقیقتاً بڑا سرمایہ اور بہتری لانے کے لیے زبردست ہتھیار ہیں۔

جوان اور بزرگ ہمارے جیسے معاشرے میں نوجوانوں کو وہ خود مختاری دینے کو تیار نہیں جو کچھ عرصے پہلے اپنی نوجوانی میں خود مانگا کرتے تھے۔ حیران کن رویہ ہے!

یہ بھی شاید اپنی جوانی کے مسائل کا انتقام ہے۔

اگر ہم جوانوں کے مسائل کا حل چاہتے ہیں تو ان کی صلاحیتوں پر اعتماد کرنا ہو گا اور ان کو اعتماد دینا ہو گا۔

نوجوانوں کے پاس صلاحیتیں ہوتی ہیں، ہمیں گنجائش دینا ہو گی کہ وہ جلد سیکھ سکیں۔

ان سے اپنا تعلق مضبوط کرنا ہو گا، تاکہ وہ ہم پر اعتبار کر سکیں۔

انھیں علم کی راہ پر ڈالنا ہو گا، علم سائنسی بھی ہے اور سماجی بھی۔

نوجوانوں کی تربیت اور فیصلہ سازی کی حوصلہ افزائی کے لیے سماجی علوم کی زیادہ ضرورت ہے، جبکہ سائنسی علوم وہ جوانوں اور بزرگوں سے بہتر سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

سماجی علوم میں ہم ان کی مدد اپنے تجربوں سے حاصل علم سے بھی کر سکتے ہیں۔ ہمارے پاس اس کے لیے قرآن کی شکل میں ہدایت کا خزانہ موجود ہے۔ اگر ہم 5 سال کی عمر سے بچے کو قرآن پڑھنے اور قرآن کی عربی سمجھنے کی کوشش میں لگا دیں تو 13 سال میں وہ زندگی کے سماجی پہلوؤں کا درست ادراک کرنے لگے گا۔ قرآن سے اس کے لگاؤ اور سمجھ میں مستقل اضافہ ہوتا جائے گا۔ قرآن کے حامل نوجوان کو اللہ کی ہدایت سے واقفیت ہوتی ہے۔ معاشرہ کو سمجھنے اور اس کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے صحیح فیصلہ سازی کی تربیت حاصل کرنے میں قرآن صحیح راہ دکھائے گا۔ وہ معاشرہ کو ہمارے بنائے معاشرہ میں کئی گنا بہتری لا سکیں گے۔

نوجوان معاشرہ سے حزن وملال کی وجوہات کا خاتمہ کر کے اسے دنیا کی جنت بنا سکتے ہیں۔ اس طرح اس معاشرے کے انسان حزن وملال سے پاک جنّت میں رہنے کے اہل بن کر اپنی جنّت یہیں پکی کر سکتے ہیں۔

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

اجرت سے زائد رقم دینے کا فیشن

سوال: آج کل ہمارے معاشرے میں ایک نئے فیشن کا رواج بڑھتا جارہا ہے۔ وہ یہ کہ "ٹپ"، "بخشش" اور "اوپر کی آمدنی" کے نام سے کسی خدمت گار کو اس کی خدمتوں کے طفیل اس کے مقررہ معاوضے کے علاوہ فاضل انعام دیا جاتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: واضح رہے کہ کسی شخص کو اس کے مقررہ معاوضے سے زائد رقم دے دینا نہ صرف جائز، بل کہ مستحب ہے، لیکن اس سلسلے میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

1. لینے والوں کو اپنے مقررہ معاوضے سے زیادہ کی طمع اور حرص نہیں ہونی چاہیے۔
2. اگر کوئی شخص انعام نہ دے تو نہ اس سے مطالبہ کیا جائے، نہ اس کو بخیل سمجھا جائے کہ شرعاً یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔
3. جو چیز حرام کا ذریعہ بنے وہ بھی حرام ہوتی ہے، مثلاً: پیشہ ورانہ طور پر بھیک مانگنا حرام ہے اور جو لوگ ان پیشہ ورانہ بھکاریوں کو پیسے دیتے ہیں وہ گویا ان کو بھیک مانگنے کا خوگر اور عادی بناتے ہیں، اس لیے بعض علمائے وقت نے تصریح کی ہے کہ پیشہ ور بھکاریوں کا بھیک مانگنا ہی حرام نہیں، ان کو دینا بھی حرام ہے۔ اسی طرح اگر زائد رقم دینے کے ذریعے ان حضرات میں مطالبہ کرنے کی عادت پڑنے اور نہ دینے والے کو بخیل اور حقیر سمجھنے کا مرض پیدا ہو جائے تو یہ سب خود لائقِ ترک ہو جائے گا۔

جان چھڑانے کے لیے رشوت دینا

سوال: آج کل پولیس والے، لوگوں کو بلاوجہ تنگ کرتے ہیں۔ گاڑیوں کے کاغذات وغیرہ پورے ہونے کے باوجود کہتے ہیں کہ جرمانہ دو! یہ جرمانہ بطورِ رشوت کے لیتے ہیں۔ اگر جرمانہ نہ دیا جائے تو چالان کر دیتے ہیں، جس سے عدالتوں کی مصیبت گلے پڑ جاتی ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر ایسی صورتِ حال میں کوئی آدمی رشوت دے کر اپنی جان چھڑا لیتا ہے تو کیا وہ اس حدیث کا مصداق ہو گا کہ رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں؟ اگر ایسا واقعہ پیش آجائے تو کیا کیا جائے؟

جواب: اپنی عزت بچانے کے لیے اگر مجبوری سے رشوت دینی پڑے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر پکڑ نہیں فرمائیں گے۔

ناجائز کمائی بچوں کو کھلانے کا گناہ کس پر ہوگا؟

سوال: ایک آدمی اپنے بچوں کو ناجائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت کھلاتا ہے، یہاں تک کہ بچے بالغ اور سمجھ دار ہو جاتے ہیں اور بچوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے باپ نے ہمیں حرام کی کمائی کھلائی، تو کیا بچوں کو اپنے والدین سے الگ ہو جانا چاہیے؟ اگر بچے ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ خود کما کھا سکیں تو بچوں کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا باپ کا گناہ بچوں کو بھی ہو گا؟

جواب: واضح رہے کہ بالغ ہونے اور علم ہو جانے کے بعد تو بچے بھی گناہ کار ہوں گے، لہٰذا ان کو اس قسم کی کمائی سے پرہیز کرنا چاہیے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر الگ ہونا چاہیے، البتہ والدین کی خدمت اور احترام میں کوئی کمی نہ کریں اور ان کی ضروریات اگر ہوں تو ان کو بھی پورا کیا کریں۔

اپنی زندگی میں جائیداد کس نسبت سے اولاد کو تقسیم کرنی چاہیے؟

سوال: میری چھ اولادیں ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے: 4 لڑکیاں شادی شدہ، ایک لڑکا شادی شدہ، ایک لڑکا غیر شادی شدہ۔ میری کچھ جائیداد ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری اولاد میں سے جس جس کا جو حصہ شریعت کی رُو سے بنتا ہے، میں اپنی زندگی میں ہی اس کو حصہ دے دوں۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ پہلے غیر شادی شدہ لڑکے کا حصہ نکال کر (یعنی شادی کے اخراجات) باقی جائیداد اور نقدی کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ ایک روز چاروں لڑکیاں اور چاروں داماد موجود تھے، میں نے ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا، چوں کہ چاروں لڑکیاں صاحبِ نصاب ہیں انہوں نے متفقہ طور پر یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بہت دیا ہے، ہم چاروں اپنے حصے دونوں بھائیوں کو دینا چاہتی ہیں۔ اب فرمائیے کہ اس جائیداد کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں آپ اپنے غیر شادی شدہ لڑکے کے اخراجات نکال کر اس لڑکے کے حوالے کر کے باقی جائیداد اپنی زندگی ہی میں اپنی تمام اولاد میں تقسیم کر سکتے ہیں، البتہ اس تقسیم کے لیے ضروری ہے کہ لڑکے اور لڑکی دونوں کو برابر کا حصہ دیں، نیز جو جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ان کے درمیان تقسیم کریں، وہ ان کے قبضے میں دے دیں۔ اگر آپ نے جائیداد ان کے قبضے میں نہیں دی، بل کہ محض کاغذی طور پر تقسیم کی ہے اور جائیداد اپنے قبضے میں رکھی ہے تو آپ کے انتقال کے وقت وہ جائیداد منقولہ وغیر منقولہ جو آپ کے قبضے میں ہے، اس کی تقسیم میراث کے اصولوں کے مطابق ہوگی، یعنی لڑکی کا ایک حصہ اور لڑکے کے دو حصے۔ آپ کی لڑکیاں اگر اپنے حصے سے دست بردار ہونا چاہتی ہیں تو آپ اپنی تمام جائیداد اپنے لڑکوں کو دے سکتے ہیں۔ اس صورت میں اگر آپ نے لڑکوں کے درمیان جائیداد تقسیم کر کے ان کو قبضہ دے دیا تو آپ کے انتقال کے بعد آپ کی لڑکیوں کو اس میں حصے کا مطالبہ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اگر آپ نے انتقال تک لڑکوں کو قبضہ نہ دیا تو آپ کے انتقال کے بعد لڑکیاں اس جائیداد میں اپنے حصے کا مطالبہ میراث کے اصولوں کے مطابق کر سکتی ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 17 پر

کلفت و راحت میں ہم سفر بیوی

ندا اختر

جب رات گہری ہو چلی اور اس نے اپنی سیاہ چادر ام القریٰ (مکہ مکرمہ) پر پھیلا دی تو اسماء بنت سلامۃ رضی اللہ عنہا کو خوف محسوس ہونے لگا اور دل میں طرح طرح کے اندیشے سر اٹھانے لگے کہ ان کے شوہر عیاش بن ابی ربیعہ نے گھر آنے میں اتنی دیر کیوں کر دی؟ کیا ان کے بھائی ابو جہل نے ان کو محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دیکھ لیا؟ کیا کسی نے جا کر ان کی والدہ اسماء بنت مخربہ کو خبر کر دی کہ ان کے بیٹے نے ابنِ عبداللہ سے ملاقات کی اور ان کی باتیں سن لی ہیں، اتنے میں ایک سایہ انھیں اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ ان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگ اٹھا، یہ تو ان کے شوہر عیاش تھے، ان کو دیکھتے ہی وہ بے تابی سے بولیں: "کیا ہوا؟ کیا ان سے ملے؟" عیاش بن ابی ربیعہ بولے: "نہیں، کیوں کہ قریش کے لوگ ان کے گھر پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔"
تو اسماء بنتِ سلامۃ بولیں: "میری ایک رائے ہے!" تو عیاش بولے: "کیا؟" تو اسماء بنتِ سلامۃ بولیں کہ "آپ ابی بکر بن ابی قحافہ، زید بن محمد یعنی ابنِ حارثہ، عثمان بن عفان اور جن لوگوں نے محمد بن عبداللہ کا راستہ اپنایا، ان سے جا کر ملیں۔"
عیاش نے اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے ہوئے کہا: "بہت بہترین رائے ہے۔" اس کے بعد عیاش بن ابی ربیعہ، ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچنے کے بعد انھوں نے اپنے چاروں طرف دیکھا اور جب ان کا دل مطمئن ہو گیا کہ کوئی ان کا پیچھا نہیں کر رہا تو انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کا خیر مقدم کیا اور پھر ان سے نبی علیہ السلام کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔
عیاش نے پوچھا کہ "اسلام کیا ہے؟" ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اسلام یہ ہے تم اپنا دل اللہ کے حوالے کر دو اور یہ کہ تمام مسلمان تمہاری زبان اور ہاتھ کے شر سے محفوظ و مامون رہیں۔" چند اور سوالات کیے، پھر عیاش بن ابی ربیعہ اپنے گھر واپس لوٹ آئے تو اسماء بنتِ سلامۃ ان سے ملیں اور پوچھنے لگیں: "کیا اُن میں سے کسی سے ملاقات ہوئی؟" عیاش بولے: "ہاں" تو اسماء بنتِ سلامۃ بولیں: "تو پھر انھوں نے کیا کہا؟" عیاش کہنے لگے: "میں نے حیران کر دینے والی باتیں سنیں اور جو کچھ میرے دل میں شک کے مرحلے میں تھا، وہ اب یقین میں بدل گیا ہے۔" تو اسماء بنتِ سلامۃ کہنے لگیں: "عباس بن عبدالمطلب کی بیوی اُمُّ الفضل رضی اللہ عنہا میرے پاس آئی تھیں اور انھوں نے مجھے اسلام کی دعوت دی اور انھوں نے قرآن کی کچھ آیتیں مجھے پڑھ کر سنائیں، جن کو سن کر مجھے ایسا لگا کہ میرا دل ان کی طرف کھنچ رہا ہے اور میری روح بلندی کی طرف پرواز کر رہی ہے اور میرے ضمیر کو بڑی راحت و سکون کا احساس ہوا۔" تو عیاش بن ابی ربیعہ نے پوچھا کہ "پھر کیا خیال ہے تمہارا؟" تو اسماء بنتِ سلامۃ بولیں کہ "جو آپ کی رائے۔"

تو عیاش بن ابی ربیعہ بولے کہ "کل ہم محمد بن عبداللہ سے ملاقات کریں گے!" عیاش بن ابی ربیعہ اور اسماء بنتِ سلامۃ سو گئیں اور خواب میں انھوں نے دیکھا کہ انھیں آگ میں ڈال دیا گیا، مگر وہ وہاں سے بھاگ کر ایک سر سبز و شاداب وادی میں آ گئیں، وہ کپکپاتی ہوئی نیند سے اٹھیں تو ان کے شوہر عیاش نے پوچھا: "کیا ہوا؟" تو انھوں نے ان کو اپنا خواب سنایا تو عیاش بولے کہ "تمہارے خواب کی تعبیر تو صاف ظاہر ہے، مبارک ہو تمہارے لیے خوش خبری ہے، وہ اسلام ہے، جس نے تمہیں آگ سے بچا لیا۔" اور اس سے پہلے کہ ابی قبیس کی پہاڑی کے پیچھے سے سورج اپنا سر اٹھاتا عیاش نے اپنی بیوی سے کہا کہ "چلو رسول اللہ ﷺ کے پاس چلتے ہیں، میں ان سے ملنے کے لیے بے تاب ہوں" تو اسماء بنتِ سلامۃ بولیں: "اور میں بھی ان سے ملنے کے لیے کم بے تاب نہیں۔" اور پھر وہ دونوں چھپتے چھپاتے نبی اکرم ﷺ کی تلاش میں نکلے تو وہ انھیں علی بن ابی طالب کے ساتھ ان کے والد کی گھاٹی میں نماز پڑھتے ہوئے ملے۔
انھوں نے آپ ﷺ کی نماز ختم ہونے کا انتظار کیا اور پھر عیاش اور اسماء آگے بڑھے اور حضور ﷺ کی خدمت میں جا کر بیٹھ گئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا اور قرآنِ کریم کی چند آیات انھیں پڑھ کر سنائیں، ان دونوں نے بڑے غور سے کلام اللہ کو سنا، یہاں تک کہ ان کے دل حقیقت سے آشکارہ ہو گئے اور نور سے جگمگا اُٹھے اور پھر بے اختیار عیاش اور ان کی بیوی نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا، پھر تو عیاش بن ابی ربیعہ نے رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کو مستقل طور پر اپنا لیا اور وہ ہر دم آپ ﷺ کے ساتھ رہنے لگے، یہاں تک کہ ارقم بن ابی الارقم مخزومی کا گھر حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا مستقل ٹھکانا بن گیا، جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم ہر دم ان کو گھیرے رہتے تھے کہ ان سے بہترین علم حاصل کر سکیں اور اپنے دلوں کو اللہ عزّ و جل کے کلام اور رسول اللہ ﷺ کی حکمت کے نور سے زندہ کر سکیں اور جب عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ دارِ ارقم سے واپس اپنے گھر لوٹتے تھے تو ان کی بیوی اسماء بنتِ سلامۃ ان سے دریافت کرتی تھیں کہ "کیا فرمایا رسول اللہ نے، اللہ جل شانہ نے کیا نازل فرمایا؟ اپنے نبی ﷺ پر۔" پھر عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ انھیں بتاتے تھے اور پھر دونوں بیٹھ کر حضور ﷺ کے اقوال اور جبریل علیہ السلام کے لائے گئے پیغامات پر غور کرتے تھے، وہ باتیں دہراتے اور آپس میں مذاکرہ کرتے تھے اور پھر قول کو عمل سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے تھے، پھر بنی مخزوم رسول اللہ کی اتّباع کرنے والوں پر ٹوٹ پڑے اور ابو جہل بن ہشام نے اپنے بھائی عیاش کو شدید عذاب اور اذیت کی دھمکیاں دینی شروع کر دیں، مگر عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی اسماء بنت سلامۃ رضی اللہ عنہا نے صبر کیا، قریش کی طرف سے کیے گئے ظلم و ستم جب بڑھنے لگے تو حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔
عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی اسماء بنتِ سلامۃ رضی اللہ عنہا نے بھی حبشہ کی جانب ہجرت کی اور اپنا مال اور اپنا قبیلہ، خاندان، رشتہ داری سب کچھ چھوڑ کر صرف اپنا دین بچا کر لے گئے اور پردیس میں زندگی گزارنے لگے، وہیں پر اسماء بنتِ سلامۃ رضی اللہ عنہا کے ہاں بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام عیاش بن ابی ربیعہ نے عبداللہ رکھا، کچھ عرصہ بعد عیاش بن ابی ربیعہ رضی

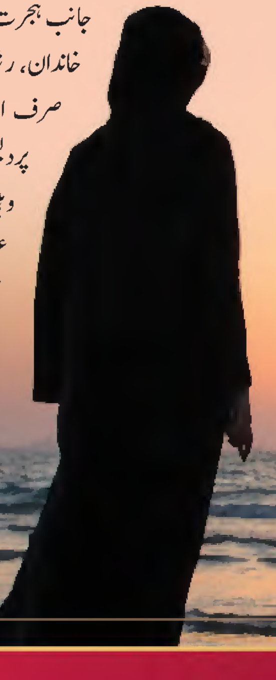

اللہ عنہ اور اسماء بنت سلامہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے عبداللہ کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس آ گئے کہ شاید اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد حالات صحیح ہو گئے ہوں اور اب وہ مکہ میں دوبارہ رہ سکیں، مگر قریش کے سردار حبشہ کے مہاجرین کے لیے اب تک اپنے تمام ظلم و ستم کے ہتھیاروں سے لیس تیار بیٹھے تھے اور پھر انصار نے حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت شروع کر دی اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم یثرب کی طرف ہجرت کرنے لگے، چناں چہ عیاش رضی اللہ عنہ بھی وہاں سے چل دیے ادھر اسماء بنتِ سلامہ رضی اللہ عنہا کو پتا چلا کہ ابو جہل اور حارث بن ہشام دونوں کے دونوں یثرب کے لیے روانہ ہو چکے ہیں، تا کہ وہاں سے عیاش رضی اللہ عنہ کو واپس لا کر اس کو سزا دے سکیں۔

وہ بڑی بے تابی سے کسی ایسے شخص کو تلاش کرنے لگیں کہ جس کو یثرب بھیج کر اپنے شوہر کو خبردار کر سکیں، مگر انھیں کوئی نہ مل سکا اور ہشام کے بیٹے ابو جہل اور حارث دونوں یثرب کے لیے روانہ ہو گئے اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ سے ملے، جو ان کے ماں جائے بھائی تھے، چناں چہ ان دونوں نے عیاش رضی اللہ عنہ کو باتوں میں لے کر دھوکے سے پکڑ لیا اور کہنے لگے: ”ہم تمہیں مکہ جا کر قید خانے میں ڈال دیں گے اور اس وقت تک عذاب میں مبتلا رکھیں گے، جب تک کہ تمہاری عقل ٹھکانے پر نہیں آ جائے گی۔“ اور جب وہ انھیں مکہ لے کر پہنچے تو صبح کا وقت تھا۔ مکہ میں داخل ہوتے ہی ابو جہل نے قریش کو پکارا اور کہا: ”شہر مکہ کے رہنے والو! تم بھی اپنے نادانوں کے ساتھ وہی سلوک کرو، جو ہم نے اپنے نادان کے ساتھ کیا ہے۔“ عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کو ہشام بن عاص کے ساتھ لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر قید خانے میں ڈال دیا، جس کی چھت نہیں تھی۔ اسماء بنتِ سلامہ رضی اللہ عنہا قید خانے میں ہی ان کو کھانا اور پانی بھیج دیا کرتی تھیں اور جب اسماء بنتِ سلامہ رضی اللہ عنہا کو جنگِ بدر میں مشرکین کی ہزیمت کا علم ہوا تو انھوں نے تہ خانے میں اپنے شوہر عیاش کو یہ اطلاع بھجوائی تو عیاش اور ہشام دونوں نے خوشی سے نعرہ تکبیر بلند کیا" اللہ اکبر اللہ اکبر! قسم ربِ کعبہ کی! اسلام کے دشمنوں ابو جہل ربیعہ اور امیہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کی ہلاکتوں کے بعد یہ فتح و نصرت کی پہلی علامات میں سے ہے، اسماء بنتِ سلامہ رضی اللہ عنہا عمیر بن وہب اور ولید بن مغیرہ کے اسلام لانے پر بہت خوش ہوئیں۔ پہلے وہ قریش کے شیطان خانے جاتے تھے اور اب وہ اسلام کے پروانے بن چکے تھے۔ ایک رات ولید بن ولید منہ پر ڈھاٹا باندھے ہوئے آئے اور اسماء بنتِ سلامہ رضی اللہ عنہا کا دروازہ کھٹکھٹایا، جب وہ انھیں پہچان گئیں تو ولید نے ان سے عیاش اور ہشام کے قید خانے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے اس کا پتا بتا دیا اور خود بھی ساتھ ہو لیں، وہاں پہنچ کر ولید نے ان دونوں سے کہا: ”رسول اللہ (ﷺ) نے عیاش اور ہشام جیسے مجبور اور بے بس مومنوں کو نہیں بھلایا۔“ اسماء نے ایک بڑا سا پتھر اٹھایا اور ولید اس پر پاؤں رکھ کر دیوار پر چڑھے اور دوسری طرف کود کر انھوں نے اپنی تلوار سے عیاش اور ہشام کی بندشیں کاٹ ڈالیں اور پھر ولید ہشام بن عاص اور عیاش اور اسماء بنتِ سلامہ رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے کے ساتھ شہرِ نبی کی طرف روانہ ہو گئے۔ الحمدللہ!

بقیہ

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

دفتری اوقات میں نماز، ذکر و تلاوت وغیرہ کا حکم

سوال: بعض سرکاری ملازمین، مثلاً: اساتذہ، کلرک وغیرہ ڈیوٹی کے اوقات کے دوران، جب کہ کوئی وقفہ بھی نہیں (یعنی وقفہ کے علاوہ) اوقات میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور اس دوران کوئی کام نہیں کرتے، جس کی وجہ سے اساتذہ کرام سے بچوں کا اور دیگر ملازمین سے دفتر اور متعلقہ افراد کا نقصان یا کام کا حرج ہوتا ہے، ان کا یہ فعل ثواب ہے یا نہیں؟

جواب: واضح رہے کہ سرکاری ملازمین ہوں یا نجی ملازم، ان کے اوقاتِ کار ان کے اپنے نہیں، بل کہ جس ادارے کے وہ ملازم ہیں اس نے تنخواہ کے عوض ان اوقات کو ان سے خرید لیا ہے۔ ان کے وہ اوقات اس ادارے اور قوم کی امانت ہیں۔ اگر وہ ان اوقات کو اس کام پر صَرف کرتے ہیں جو ان کے سپرد کیا گیا ہے تو امانت کا حق ادا کرتے ہیں اور ان کی تنخواہ ان کے لیے حلال ہے۔ اگر ان اوقات میں کوئی دوسرا کام کرتے ہیں (مثلاً: ذکر و تلاوت وغیرہ) یا کوئی کام نہیں کرتے، بل کہ گپ شپ میں گزار دیتے ہیں تو وہ امانت میں خیانت کرتے ہیں اور ان کی تنخواہ ان کے لیے حلال نہیں۔ تاہم اگر دفتر کا مطلوبہ کام نمٹا چکے ہیں اور وہ کام نہ ہونے کی وجہ سے فارغ بیٹھے ہوں تو اس وقت ذکر و تلاوت کرنا جائز ہے، اسی طرح کسی اور اچھے کام میں اس وقت کو صَرف کرنا بھی صحیح ہے۔

ہمارا ملازم طبقہ اس معاملے میں بہت کوتاہی کرتا ہے، دیانت و امانت کے ساتھ کام کے وقت کام کرنے کا تصور ہی جاتا رہا۔ یہ حضرات عوام کے نوکر ہیں، ملازم ہیں۔ سرکاری خزانے میں عوام کی کمائی سے جمع ہونے والی رقوم سے تنخواہ پاتے ہیں، لیکن کام چوری کا یہ عالم ہے کہ عوام دفتروں کے بار بار چکر لگاتے ہیں اور ناکام واپس ہو جاتے ہیں۔ اگر رشوت یا سفارش چل جائے تو کام فوراً ہو جاتا ہے۔ گویا یہی حضرات سرکار کے اور سرکار کی وساطت سے عوام کے ملازم نہیں، بل کہ رشوت و سفارش کے ملازم ہیں۔ انصاف کیا جائے کہ ایسے ملازمین کی تنخواہ ان کے لیے کیسے حلال ہو سکتی ہے؟! اگر ان کو دل سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس ہو اور انہیں معلوم ہو کہ کل قیامت کے دن ان کو اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے تو دفتری کام کو دیانت و امانت کے ساتھ انجام دیا کریں اور عوام ان کے طرزِ عمل سے پریشان نہ ہوا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں امانت و دیانت کی دولت سے بہرہ وَر فرمائیں!

شیطان کو نماز سے روکنے کے لیے جائے نماز کا کونا الٹنے کا حکم

سوال: شیطان مسلمانوں کو عبادت سے روکنے کے لیے وسوسوں کے ذریعے بہکاتا ہے اور خود عبادت کرتا ہے۔ اس کو عبادت سے روکنے کے لیے ہم نماز کے بعد جائے نماز کا کونا اُلٹ دیتے ہیں، اس طرح عبادت سے روک دینے کے عمل کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب: اس سوال میں آپ کو دو غلط فہمیاں ہوئی ہیں: ایک یہ کہ شیطان دوسروں کو عبادت سے روکتا ہے، مگر خود عبادت کرتا ہے۔ شیطان کا عبادت کرنے کا خیال غلط ہے، عبادت تو حکمِ الٰہی بجالانے کا نام ہے، جبکہ شیطان حکم الٰہی کا سب سے بڑا نافرمان ہے، اس لیے یہ خیال کہ شیطان عبادت کرتا ہے، بالکل غلط ہے۔

دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ جائے نماز کا کونا اُلٹنا شیطان کو عبادت سے روکنے کے لیے ہے، یہ قطعاً غلط ہے۔ جائے نماز کا کونا اُلٹنے کا رواج تو اس لیے ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلاضرورت جائے نماز بچھی نہ رہے اور وہ خراب نہ ہو۔ عوام جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر جائے نماز نہ اُلٹی جائے تو شیطان نماز پڑھتا ہے، یہ بالکل مہمل اور لایعنی بات ہے۔

Representing
Summer
Vibes!
Perfect
MATIC
Perfect®
MATIC
اصلي
ASLEE
Fresh Aire™
معطر الجو المقنن
Metered Air Freshener
ODOR NEUTRALISER
Perfect®
MATIC
رہو خوشبوؤں میں

معاشی اصلاحات کی درستی

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دس اصول

رابعہ فاطمہ

مملکتِ اسلامیہ جب سیاسی، معاشی اور معاشرتی انتشار کا شکار ہوئی، تب قدرت نے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو رحمۃ اللہ علیہ تخت نشین فرمایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے زمامِ اقتدار سنبھالتے ہی اسلامی معاشرے کی اصلاح کے لیے ایک ایسا منظّم نظام مربوط کیا، جو نہ صرف معاشی نظام کی درستی کے لیے کافی تھا بلکہ سیاست، سماج اور معاشرت کے لیے بھی بہت بہترین ثابت ہوا۔ مؤرّخین ان کے اقتدار کے پہلے سال کو اصلاح و ترمیم کا سال بتاتے ہیں، اس کے بعد اقتصادی استحکام نے ان کے دور میں سیاسی استحکام پیدا کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے تخت نشین ہوتے ہی جامع معاشی اصلاحات کی ابتدا کی۔ انھوں نے ایسے قرآن وسنت کی روشنی میں بہترین اصول مقرر کیے، ذیل میں ان کے وہ اصول بیان کیے جاتے ہیں۔

پہلا اصول: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معاشی، سیاسی اور معاشرتی استحکام کے لیے سب سے ضروری عدل وانصاف کا قیام تھا۔ تاریخِ مدینہ و دمشق میں ابنِ عساکر لکھتے ہیں کہ ایک بار انھوں نے محمد بن کعب قرظی سے پوچھا: ”مجھے عدل وانصاف کے بارے میں بتایئے۔“ محمد بن کعب قرظی نے کہا: ”آپ نے ایک بہت بڑے معاملے کے حوالے سے دریافت کیا ہے تو سنیے! چھوٹوں کے لیے باپ، بڑوں کے لیے بیٹا اور ہم عمر لوگوں کے لیے بھائی بن کر رہیں۔ لوگوں کو ان کے گناہوں کے بقدر سزا دیں۔ اپنی ذات کی خاطر کسی کو ناحق سزا نہ دیں، ورنہ آپ کا شمار ظالموں میں ہوگا۔“ آپ عدل وانصاف کے حوالے سے نہایت حسّاس تھے۔ ایک بار ایک گورنر نے شہر کی مرمت و درستی کے لیے آپ سے مال طلب کیا تو آپ نے اسے لکھ بھیجا: ”شہر کو عدل سے مزیّن کرو، اس کے راستوں کو ظلم سے پاک کرو، یہی اس کی مرمت ہے۔“ آپ کی اس بات سے اندازہ ہوتا ہے شہر کی خوش حالی اور اس کی بقا عدل وانصاف کے قیام میں ہے۔

دوسرا اصول: آپ دور اندیش تھے اور جانتے تھے کہ ظلم کے خاتمے سے معاشی پہیہ پورا فعال ہوگا، چناں چہ آپ نے ظلم کے خاتمے کے لیے جیلوں کی صفائی اور بے گناہ قیدیوں کی رہائی کی طرف توجہ دی۔ آپ کا یہ اقدامِ امن وامان نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کے لیے بھی عام تھا۔ آپ نے ان بڑے فیصلوں پر بھی نظرِ ثانی کی جو قانونی اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل تھے، چناں چہ آپ نے اپنے گورنروں کو لکھا کہ جنھوں نے ناحق مال حاصل کیا ہے، وہ ان کے مالکوں کو واپس لوٹایا جائے اور ساتھ ہی ساتھ زکوۃ کی وصولی کو یقینی بنایا جائے۔ یہی نہیں آپ نے عام لوگوں کے نقصان کی تلافی کو بھی اپنا فرض جانا، چناں چہ اس حوالے سے المصنف فی الاحادیث والآثار میں ملتا ہے کہ غیلان بن میسرہ کہتے ہیں” عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے کاشتکاری کی تھی اہلِ شام کے لشکر کے گزر کی وجہ سے فصل برباد ہوگئی تو آپ نے اسے دس ہزار درہم معاوضہ ادا کیا۔“

تیسرا اصول: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے سالم بن عبداللہ کو خط لکھ کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت طلب کی، تاکہ وہ اس پر عمل کر سکیں۔

چوتھا اصول: اپنے اِرد گرد مخلصین کو رکھا اور ساتھ ہی ساتھ اصلاح کی تاکید کی، چناں چہ تاریخِ مدینہ ودمشق میں ہے: عمرو بن مہاجر کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ”اے عمرو! جب تم دیکھو کہ میں حق سے ہٹ گیا ہوں تو اپنا ہاتھ میری گردن پر رکھ کر مجھے زور سے ہلانا اور کہنا: ”یہ تم کیا کر رہے ہو؟“

پانچواں اصول: ہر قسم کی رشوت کا خاتمہ! تاریخ الخلفا میں ہے کہ یہاں تک کہ جب آپ کے پاس عمدہ اور خوش بودار سیب تحفتاً پیش کیے گئے تو آپ نے یہ کہہ کر واپس لوٹا دیے کہ یہ تحفہ لے جاؤ اور دینے والے کو سلام کہنا اور کہنا تمہارا تحفہ ہمیں پسند آیا۔ عمر بن مہاجر نے کہا: ”یہ تحفہ آپ کے چچازاد بھائی کی طرف سے ہے، اسے قبول کرنے میں کیسی قباحت؟ رسول اللہ ﷺ بھی تو تحفہ قبول کر لیتے تھے تو آپ نے فرمایا: ”وہ تحفہ نبی کریم ﷺ کے لیے تحفہ ہوتا تھا، مگر ہمارے لیے رشوت ہے۔“

چھٹا اصول: جعل سازی کا خاتمہ، چناں چہ آپ نے افراطِ زر کو کنٹرول کیا اور قیمتِ خرید کو محفوظ رکھنے کے لیے اقدامات کیے۔ واقدی لکھتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں ایک ایک ایسا شخص لایا گیا جو جعلی دینار بناتا تھا، چناں چہ آپ نے اسے قید میں رکھا، اس کے پاس موجود دھات ضبط کر کے نذرِ آتش کر دیا۔

ساتواں اصول: قومی وسائل وذرائع آمدنی کی عادلانہ تقسیم! آپ نے امرا کا قومی دولت پر قبضوں کا سدِّباب کیا۔ ناحق جائیدادوں پر قبضے چھڑا کر ان کو ان کے مالکین کے سپرد کیا۔ فقرا ومساکین پر کثرت سے خرچ کیا، محروموں کی زکوۃ اور بیت المال سے مدد لے کر زندگیوں کو

امید

نمرہ امین

انسان اپنی زندگی میں بہت سے ارمان، خواہشیں، اُمیدیں دل میں لیے رکھتا ہے۔ ہر انسان کے دل میں بچپن سے ہی اُمیدیں ہوتی ہیں اور وہ وقت کے ساتھ ساتھ مزید بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ کچھ اُمیدیں اُس کی پوری ہوتی ہیں تو اُس کی خوشی کا ٹھکانا نہیں ہوتا اور وہ اپنی پوری ہوئی اُمیدوں سے مزید دل میں نئے جذبے اور اُمیدیں لیے رہتا ہے، اِسی اُمید سے کہ یہ بھی پوری ہوں گی۔ کچھ اُمیدیں ایسی ہوتی ہیں جو بالکل لاحاصل ہوتی ہیں، انسان اُن کے آگے بالکل بے بس ہو جاتا ہے کہ وہ کبھی پوری نہیں ہو سکتی ہیں۔ انسان کی اپنی سوچ ہی ہے جو اُس کو سب سے اُمیدیں وابستہ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ لاکھ نا چاہتے ہوئے بھی انسان کا اپنے دل پر اختیار نہیں چلتا ہے اور وہ کس کس بات کی ہر ایک سے اُمید لگا لیتا ہے۔ یہ اُمیدیں ہی ہوتی ہیں جو اچھے بھلے ہنستے، مسکراتے انسان کا چہرہ مرجھا دیتی ہیں۔

ایک گلاب کی طرح کا کھلتا چہرہ، آنکھوں کی چمک پُرسکون ہنسی، جب ایک لاحاصل اُمید ٹوٹنے پر یہ چہرے کا نور ماند پڑ جائے، ہنستے مسکراتے لب خاموش ہو جائیں، آنکھوں کی چمک ختم ہو جائے، چہرہ بالکل گلاب کے سوکھے پھول کی طرح مرجھا جائے اور اچانک کوئی خاموش انسان بن جائے۔

تو ذرا سوچیے! وہ انسان ایک اُمید کے ٹوٹنے کی وجہ سے کتنا بکھر کے رہ گیا ہے اور زندہ ہو کر بھی زندہ لاش کی طرح رہ رہا ہے۔ انسان کیوں اتنی جلدی کسی سے اُمیدیں وابستہ کر لیتا ہے؟

کیوں؟ اتنی جلدی اپنی قیمتی مسکراہٹ، اپنا کانچ جیسا نازک دل، اپنے احساسات وجذبات دوسروں کو بنا سوچے سمجھے سونپ دیتا ہے اور ایک اُمید اُن سے لگا کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ بھی اسے معلوم نہیں کہ جب یہ اُمید ٹوٹ جائے گی تو سب کیسے ختم ہو جائے گا، ایک مایوسی چھا جائے گی؟

"اُمید پر ہی تو دنیا قائم ہے۔"

اور زندگی کے ہر موڑ پر اُمید کی روشنی انسان کو نظر آتی رہتی ہے، سب میں کسی بھی اُمید کے ٹوٹ جانے کے بعد پھر بھی ہم سب سے اُمیدیں لگاتے ہیں اور پھر سے خود کو توڑنے کی تیاریوں میں رہتے ہیں۔ کب کوئی آ کر اُن کی اُمیدوں پر پانی پھیر جائے؟؟ کبھی انسان نے سوچا ہے کہ کیوں؟ وہ لوگوں سے اتنی اُمیدیں وابستہ کر کے اپنی دل آزاری کر رہا ہے اور مایوس ہو رہا ہے؟ دُنیا داری کی اُمیدیں تو انسان کو مایوسی کے اندھیروں میں ڈال دیتی ہیں۔ انسان ہر وقت مایوس ہی رہتا ہے، اگر وہ اپنے رب سے ہر اُمید لگائے، اپنے رب پر توکل کرے تو اُس کی کتنی آرام سکون والی زندگی ہو جائے گی۔ اگر کوئی کسی سے بھی ہمدردی کرے، اچھا سلوک کرے تو بدلے میں لوگوں سے اُمیدیں لگانے کے بجائے اپنے اللہ سے اُمید رکھے کہ اِس کا اجر اللہ نے دینا ہے۔

انسان کی ہر اُمید اگر اللہ سے ہو گی تو اللہ سے لگائی ہر اُمید انسان کی پوری بھی ہو گی اور انسان کو خوش حال بھی رکھے گی۔ ہر حال میں انسان خوش رہتا ہے، جب اُسے اپنے رب پر کامل یقین، توکل اور اُمید ہوتی ہے۔ ہم اپنے اللہ سے ہی ہر دُعا کرتے ہیں اور اِسی اُمید و یقین کے ساتھ کہ وہ رحمٰن و رحیم ہے، وہی ہمیں ہر خوشی، ہر نعمت سے نواز سکتا ہے۔ اللہ سے کبھی نااُمید نہیں ہونا چاہیے، کیوں کہ ایک اللہ کی ہی ذات ہے جو ہمیں سب عطا کر سکتی ہے۔ اللہ پر کامل یقین، توکل اور ہر اچھی اُمید اور اُس کا بہترین صلہ جب ہمیں ملتا ہے تو ہماری زندگی خوشیوں سے بھر جاتی ہے۔

آسان بنایا۔ آپ کا ہدف ضرورت مند طبقے تک روزی پہنچانا تھا، چناں چہ ایک خطبے میں آپ نے ارشاد فرمایا: "میں چاہتا ہوں دولت مند طبقہ اپنی دولت تقسیم کر دیں، یہاں تک کہ ہم اور غریب سب برابر ہو جائیں اور اس کام کے لیے سب سے پہلے میں حاضر ہوں، کیوں کہ میں ان سب کے زیادہ قریب ہونا چاہتا ہوں۔" آپ نے بیت المال سے قرض خواہوں کا قرض ادا کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ہدف لوگوں کو بنیادی ضروریات فراہم کرنا تھا۔

آٹھواں اصول: انتظامی لیڈر شپ کا فروغ دیا۔ آپ جانتے تھے معاشی ترقی کے لیے انتظامی لیڈر شپ ایک اہم ترین مرحلہ ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ آپ نے اس حوالے سے والی کوفہ کو لکھا: "بنجر زمین کو پیداواری اور پیداواری زمین کو بنجر پر محمول مت کرو، بنجر زمین پر اس کی پیداوار کے مطابق خراج مقرر کرو اور اس کی آبادکاری کا انتظام کرو۔ پیداوری زمین کے مالکان کے ساتھ نرمی برتو اور ان پر انھی لوگوں کو آباد رکھو۔"

نواں اصول: فنڈز کی کتاب کو کئی خانوں میں تقسیم کیا۔ ہر ہر مد کی الگ الگ تفصیلات موجود تھیں۔ اسحاق بن یحییٰ کہتے ہیں: "ایک بار میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے مالِ غنیمت، مالِ خراج اور مالِ خُمس الگ الگ رکھا ہوا تھا۔"

دسواں اصول: ترقیاتی منصوبوں کے تسلسل کو یقینی بنانا! جو شخص اپنی زمین کی ترقیاتی کام سے عاجز ہوتا، اسے حکومت کی طرف سے مالی معاونت حاصل ہوتی، اس سے وہ اپنی زمین میں کام کر کے ترقیاتی عمل میں حصے دار بنتا۔

پاکستان کی معاشی حالات جس زبوں حالی کا شکار ہے، اس میں انقلاب برپا کرنے کے لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اصولوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کے حکمرانوں میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے معاونین جیسی نیک نیتی اور اصلاح معاشرہ کی لگن پیدا ہو جائے۔

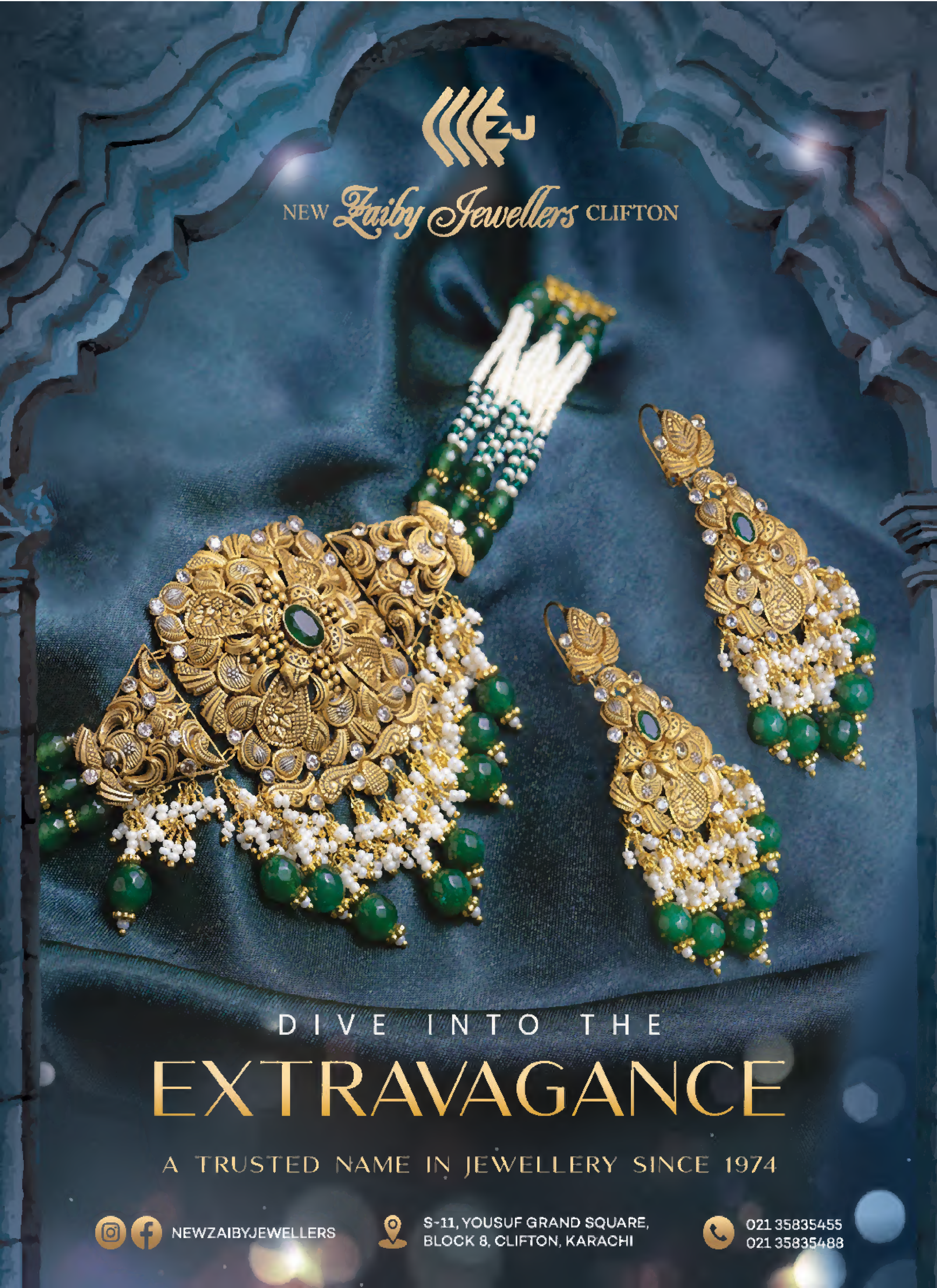

ZJ
NEW Zaiby Jewellers CLIFTON
DIVE INTO THE
EXTRAVAGANCE
A TRUSTED NAME IN JEWELLERY SINCE 1974
NEWZAIBYJEWELLERS
S-11, YOUSUF GRAND SQUARE,
BLOCK 8, CLIFTON, KARACHI
021 35835455
021 35835488

بے جان سجدے

اُمِّ محمد سلمان

"او یار!! تیری تو شکل ہی بدل گئی ہے رمضان میں۔۔۔"

شکیل نے علی کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگا۔

"ہاں یار! بس رمضان کی وجہ سے شیو نہیں بنا رہا تھا نا! تو ایسی شکل نکل آئی ہے۔" علی نے اپنی بڑھی ہوئی شیو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کھسیانے لہجے میں جواب دیا۔

"بس اب چاند رات کو دیکھنا! تیرا یار کیسے چمک کر نکلے گا۔"

"ہاں یار!! چاند رات کی رونق کے تو کیا ہی کہنے۔۔۔ مزہ آ جاتا ہے قسم سے!" شکیل چہک کر بولا۔

"ابے یار! تو چاند رات کو چھوڑ!! اپنا چاند تو نکلے ہی نکلے۔ عید پر پھپھو کے گھر ملاقات طے ہے۔W" اس نے ایک آنکھ دباتے ہوئے کہا!!

"دیکھو! کل شاید عید کا چاند نظر آ جائے، پھر سیلون بھی جانا ہے۔" علی کو بہت فکر تھی اپنا حلیہ سدھارنے کی۔

"ارے ہاں یار! چلیں گے، تُو فکر نہ کر۔"

"لیکن ایک بات ہے علی! تُو ڈاڑھی میں بھی اچھا لگ رہا ہے یار! بڑا نورانی چہرہ لگ رہا ہے، ماشاءاللہ!" فیضان نے کھلے دل سے اس کی تعریف کی۔

"او بس کر بھائی۔۔۔ اب تُو مسکامت لگا مجھے، تیرا یار ابھی ڈاڑھی رکھنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔ ابھی تو میرے کھیلنے کُودنے کے دن ہیں، تُو کہاں مجھے مولوی بنا رہا ہے؟"

تینوں دوست اسی طرح کی خوش گپیاں کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

◆◆◆

زرِش آج ہی اعتکاف سے اٹھی تھی۔ سارے رشتے دار گھر پر مبارک باد دینے کے لیے جمع تھے۔ میز پر تحائف کا ڈھیر لگا تھا۔ (اب یہ بھی تو ایک فیشن بن گیا ہے کہ کوئی اعتکاف سے اٹھے تو خاندان بھر کے لوگ، چاند رات کو تحفوں کے ساتھ مبارک دینے آتے ہیں۔ کوئی نہ دے سکے تو معتوب ٹھہرایا جاتا ہے)

"بیٹا جلدی کرو۔۔۔ دیر ہو گئی تو رات دو بجے تک بھی نمبر نہیں آئے گا۔" زرِش کو پارلر جانے کی جلدی تھی۔ مہمانوں سے فارغ ہو کر دونوں بہنیں رات گیارہ بجے محلے کے پارلر میں پہنچیں۔ کرسی سنبھالتے ہی زرِش کا فرمائشی پروگرام شروع ہو گیا۔

دیکھو! بھنویں اچھی طرح بنانا، کوئی فالتو بال نظر نہ آئے۔ بھنوؤں کی شیپ بہت خوب صورت اور دل کش ہونی چاہیے۔ فیشل بھی بہت زبردست کرنا۔" وہ برابر پارلر والی لڑکی کو ہدایات دے رہی تھی۔

"ارے! بھنویں تو مت بنواؤ زرِش! پورا رمضان روزے رکھے، اعتکاف کیا اور اب پھر یہ اللہ کی نافرمانی والے کام۔۔۔؟"

"اوہو! تم چپ کرو سینئش۔۔۔ تمہیں اس لیے تو نہیں لائی میں ساتھ کہ میرے کام میں روڑے اٹکاؤ۔۔۔" وہ ناگواری سے بولی۔

پارلر والی لڑکی کے ہاتھ تیزی سے چلتے رہے۔ فیشل کیا، بھنویں بنائیں، بالوں کو نیا کٹ دیا، مہندی لگائی اور رات ڈھائی بجے دونوں بہنیں گھر پہنچیں۔

ماں نے دیکھا تو صدقے واری ہونے لگیں۔۔۔ ماشاءاللہ!! اعتکاف سے اُٹھ کر کیسا نور آیا ہے میری بچی کے چہرے پر۔۔۔ چٹ پٹ دو تین بوسے لے ڈالے۔

زرِش کی عید صبح گیارہ بجے ہوئی۔ رمضان المبارک کے سارے روزے رکھے، تراویح پڑھیں، اعتکاف کیا اور عید کی صبح فجر کی نماز زندگی سے نکل چکی تھی۔

اُٹھتے ہی میوزک لگایا، (جو پورے مہینے بند رہا تھا) نہا دھو کر اپنا خوب صورت جارجٹ کا سوٹ پہنا، جس کی باریک آستینوں کے نیچے استر نما کوئی چیز نہیں تھی۔ گوری باہیں دور سے دعوتِ نظارہ دے رہی تھیں۔

کمانی دار بھنوؤں کو پینسل سے کچھ اور نمایاں کیا۔ لپ گلوز سے ہونٹوں پر لگی لپ اسٹک کی چمک نمایاں کی۔ دوپٹا گلے میں سیٹ کر کے وہ بالکل تیار تھی۔ صوفے پر بیٹھے بیٹھے پاؤں تھرک رہے تھے، ہونٹ میوزک کے ساتھ ساتھ گنگنا رہے تھے۔ ہاں وہی۔۔۔ وہی ہونٹ۔۔۔ جو رمضان میں قرآنِ مجید کی تلاوت میں مصروف رہتے تھے۔

تھوڑی دیر بعد ہی انھیں عید ملن پارٹی میں دادی جان کے گھر جانا تھا، جہاں ہر سال عید پر ان کے تمام بیٹے بیٹیاں اپنی اپنی فیملی کے ساتھ جمع ہوتے ہیں اور پورا دن وہاں گزار کے رات کا کھانا کھا کے اپنے گھروں کو واپس لوٹتے ہیں۔

◆◆◆

بڑے ہال میں سب مہمان جمع تھے۔ بیٹے، بہو، بیٹیاں داماد اور ان کے نوجوان بچے۔۔۔ سب ایک سے ایک ملبوسات اور خوش بوؤں میں بسے تھے۔ پردے جیسی چیز کو یہاں کوئی نہیں جانتا تھا، وہ ان کے لیے گزرے وقتوں کی کہانیاں تھیں۔

کس کی بیوی کس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن رہی ہے اور کس کی جوان بیٹی کس کے بیٹے کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بیٹھی ہے۔۔۔! کسی کو پروا نہ تھی۔ آج تو عید کا دن تھا نا۔۔۔!!

◆◆◆

پورا رمضان روزے رکھنے اور دیگر عبادات کے بعد بھی ان کی زندگیوں میں کوئی بدلاؤ نہیں آیا تھا۔ رمضان سے پہلے والے ہی رات دن تھے۔ عید کے دن سے ہی نمازیں قضا کر دی گئیں، گویا عید کے دن خصوصی طور پر نماز معاف ہو!! موسیقی پھر سے روح کی غذا بن گئی۔ حلال حرام کی تمیز بھلا دی گئی۔

◆◆◆

یہ عبادت دراصل عبادت تھی ہی نہیں۔ یہ تو ایک معمول تھا، شاید جو ہر سال رمضان میں اپنا لیا جاتا ہے۔ اسی لیے ہمارے بے جان سجدے ہمیں رب کا قرب نہیں دلا سکتے۔۔۔!!

اولاد

سیدہ فاطمہ طارق

"ارے بیٹا شاہ میر! تم کب آئے؟ میں آج تمہارے دفتر بھی گیا تھا، لیکن تمہارے دفتر کے ساتھیوں نے بتایا کہ تم کافی دنوں سے دفتر بھی نہیں جا رہے، کیا ہوا بیٹا! خیریت تو ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟"

"آپ بھی نا سکندر صاحب کمال کرتے ہیں، ابھی میرا بیٹا گھر آیا ہے، اس کو سانس تو لینے دیں۔ آتے ہی سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔"

زہرا بیگم نے شاہ میر کے جواب سے پہلے ہی شوہر کے سوالوں پر ان کی اچھی خاصی کلاس لے لی۔

"امی ابو! مجھے معاف کر دیں، میں آپ دونوں سے معافی مانگنے آیا ہوں، میں نے آپ دونوں کی نافرمانی کی، آپ کی بات نہیں مانی، آپ مجھے کہتے رہے کہ حرام کی کمائی سے بچو، رشوت مت لو، یہ میری دنیا و آخرت دونوں تباہ کر دے گی، لیکن میں دولت کمانے میں اتنا اندھا ہو گیا تھا کہ صحیح اور غلط کی تمیز ہی کھو بیٹھا۔ آپ لوگوں کی نصیحتوں پر عمل کرنے کے بجائے آپ سے تنگ آکر آپ کو بڑھاپے میں تنہا چھوڑ کر اپنی حرام کی کمائی سے بنائے گئے عالی شان محل میں زندگی گزارنے چلا گیا، لیکن وہ ریت سے بنا محل کب تک ساتھ نبھاتا، حرام کی کمائی سے بنایا گیا محل آخر گرنا ہی تھا، سو گر گیا، ساتھ میری ہستی کو بھی ڈبو گیا۔ امی ابو مجھے اپنی آغوشِ شفقت میں دوبارہ لے لیجیے، میں بہت بد نصیب اولاد ہوں، جس نے اپنے ماں باپ کی نصیحت پر عمل کرنے کے بجائے ان کی نافرمانی کی اور آج اپنا کیا بھگت رہا ہوں۔"

شاہ میر سکندر اپنے والدین کے قدموں میں گر کر رو رو کر معافی مانگ رہا تھا اور ماں باپ تو پھر ماں باپ ہوتے ہیں، فوراً اپنی اولاد کو سینے سے لگا کر معاف کر دیا۔

سکندر حسین کی محلے میں پرچون کی ایک چھوٹی سی دکان تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد سے بھی نوازا تھا، وہ دو بیٹیاں اور ایک بیٹے کے والدِ محترم تھے۔ نیک بیوی تھی، غرض کم تنخواہ میں اچھے سے گزارہ ہو رہا تھا، کیوں کہ زہرا بیگم نہایت سلیقہ شعار خاتون تھیں۔ سکندر صاحب نے بیٹیوں کی صحیح وقت میں شادیاں بھی کر دی اور اپنے فرض سے سبک دوش ہو گئے اور بیٹا شاہ میر سکندر، بی کام کرنے کے بعد اچھی ملازمت پر فائز ہو گیا۔ شاہ میر سکندر جہاں ملازمت کرتا تھا، وہاں اوپر کی کمائی یعنی رشوت کا دور دورہ تھا۔ سکندر صاحب اس کو ہر وقت یہی نصیحتیں کرتے تھے کہ بیٹا حرام کی کمائی سے بچنا ہم نے تمہیں ہمیشہ رزق حلال کھلایا ہے۔ اب تم بھی حرام کما کر اپنی آخرت برباد نہیں کر لینا۔ شاہ میر کو چند دنوں تک تو والدین کی نصیحت کا اثر رہا، پھر آہستہ آہستہ دولت کا نشہ اس کے ہوش اڑانے لگا۔ شروع میں تو یہ بات اس کے والدین سے مخفی رہی، لیکن جب سکندر صاحب کو اس بات کا علم ہوا تو وہ شاہ میر سے بے حد ناراض ہوئے۔ شاہ میر سکندر بجائے اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے ڈھٹائی پر اڑ گیا اور اپنے بوڑھے والدین کو تنہا چھوڑ کر اپنے خوابوں کے محل میں آکر بس گیا۔

ایک دن شاہ میر سکندر کے دفتر میں پولیس نے چھاپہ مارا۔ پولیس کے پاس ان لوگوں کی گرفتاری کا وارنٹ موجود تھا، جو دفتر میں اوپر کی کمائی یعنی رشوت لینے میں پیش پیش تھے۔ اس لسٹ میں شاہ میر سکندر کا بھی نام تھا۔ شاہ میر سکندر کو رشوت لینے کے جرم میں چھ سال کی قید سنائی گئی تھی۔ جیل جانے سے پہلے وہ اپنے والدین سے ملنے آیا اور ان سے بولا:

"ابو! آپ ہم کو ہمیشہ یہ حدیث سناتے تھے اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ کِلَاهُمَا فِی النَّارِ (رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں) لیکن پتا نہیں میری عقل کہاں گم ہو گئی تھی، میری عقل پر پردہ پڑ گیا تھا۔"

جیل جاتے ہوئے سکندر صاحب نے روتے ہوئے بیٹے کا ماتھا چوما اور بولے:

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی — جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

ہمارے بجھے دل سے بے زار سجدے — خیالوں میں اُلجھے ہوئے چار سجدے
ہیں مفرور سجدے، ہیں مغرور سجدے — ہیں کم زور، بے جان، معذور سجدے

رمضان چلا گیا۔۔۔ اور لوگ اپنے اپنے کاروبارِ زندگی میں پھر سے لوٹ گئے۔

ہم میں سے اکثر لوگوں کا یہی دستور ہے۔ ہر سال کسی تقریب کی طرح رمضان کو منانا اور پھر بھول جانا کہ کوئی ایسا ماہِ مبارک بھی زندگی میں آیا تھا، جس نے رات دن بدل کر رکھ دیے تھے، جو گناہوں سے بچانے کی ٹریننگ دینے آیا تھا، جو آیندہ پوری زندگی کا لائحہ عمل سکھانے آیا تھا۔

لیکن افسوس!! پورا مہینا قرآن کے لفظوں کو پڑھا، مگر اس کی روح کو نہ سمجھا۔۔۔

اور قرآن کی یہ آیت جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر سوال کرتی رہ گئی۔۔۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

(سورۃ البقرہ 183)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم متّقی (پرہیز گار) بن جاؤ۔

تو پھر تم متقی کیوں نہ بنے؟؟؟

کیا تمہارا نام نہاد تقویٰ صرف رمضان کے لیے تھا؟

کہاں گیا وہ تقویٰ؟

تم دنیا کے چند روزہ عیش کے لیے ہمیشہ کے دردناک عذاب کا سودا کیوں کرتے ہو؟

تم اتنے ناعاقبت اندیش کیوں ہو؟ کیا رمضان میں تمہارا کھانا پینا اور دیگر حلال کام چھڑا دینا کسی مقصد کے بغیر تھا؟

تم نے اس مقصد کو کیوں نہ پہچانا؟

اے ایمان والو! تم متقی کیوں نہ بنے؟؟

کیوں؟؟؟.... آخر کیوں؟؟؟؟؟؟

کاش! ہم نے بندگی کا کچھ تو حق ادا کیا ہوتا۔۔۔ اپنے سجدوں میں رب کو منایا ہوتا۔۔۔!!

چلو آؤ کرتے ہیں توبہ کے سجدے — بہت تشنگی سے توجہ کے سجدے
رِضا والے سجدے، وفا والے سجدے — عمل کی طرف رہنما والے سجدے
سراپا ادب التجا والے سجدے — بہت عاجزی سے حیا والے سجدے
وہ سجدوں کے شوقین غازی کہاں ہیں؟ — زمیں پوچھتی ہے نمازی کہاں ہیں؟

کتاب سے محبت

بیگم سیدہ ناجیہ شعیب احمد

فاطمہ کمرے میں داخل ہوئی تو سلمان کی تیز آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

سلمان: ”احسن! بہر حال تم کچھ بھی کہو، یہ کتاب کا نہیں، جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ یہاں ہر روز نت نئے موبائل فونز متعارف کروائے جارہے ہیں۔ ان کتابوں کے ساتھ بھلا کون سر کھپائے۔“

فاطمہ: ”کتاب بہترین دوست ہے سلمان بیٹا۔“

سلمان: ”اوہ اب آپ شروع نہیں ہوجایئے گا، پھپھو یار!“

فاطمہ: ”پھپھو کو یار کہتے ہیں؟“

سلمان: ”آج کل یہی انداز ہے بات کرنے کا، اس دن پاپا نے بھی نانو کو یار بولا تھا وہ تو کچھ نہیں بولیں۔“

سیف: ”فاطمہ پھپھو! سلمان ٹھیک تو کہہ رہا ہے، ہم کسی جگہ بیٹھے بور ہو رہے ہوں تو کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو پاکٹ میں رکھے اینڈرائڈ موبائل فون کو چھوڑ کر بھاری بھر کم کتاب اٹھا کر پڑھنا شروع ہوجائے۔۔۔ سو فنی!!“

احسن: ”یہ تو تم کہہ رہے ہو، کیوں کہ تم کتاب پڑھنے کی لذت سے ناواقف ہو۔ کتاب تو آگاہی کے بند دریچے کھولتی ہے۔“

”احسن یار! بس کردے۔ دوبارہ فلسفیانہ باتیں کرنا مت شروع کردینا۔ سچ میں دماغ کی دہی بنا دیتے ہو۔“ ہاتھ پر ہاتھ دونوں نے ہاتھ پہ ہاتھ مارتے ہوئے قدرے بے ہودگی سے کہا۔

”تم لوگ فلمیں ڈرامے دیکھ دیکھ کر فلمی انداز میں گفتگو کرتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوّا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔“ احسن نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”او بھائی! ہم زمانے کے ساتھ چلنے والے ترقی یافتہ کھلے دل و دماغ والے لوگ ہیں، تمہاری طرح سطحی اور جذباتی کتابی کیڑوں، تخیلّاتی دنیا میں رہنے والے نفسیاتی لوگوں کی پہنچ سے کوسوں دور۔“ ہاہاہا!! سلمان نے اپنے پھوپھی زاد احسن کا تمسخر اڑاتے ہوئے قہقہ لگایا۔

احسن اور اس کی والدہ فاطمہ بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔

”غضب خدا کا جب دیکھو ہاتھوں میں کتاب تھامے ہوئے رہتی ہے۔ لڑکی ہے یا چلتی پھرتی لائبریری! اونٹ کی طرح قدآور ہوئے جارہی ہے۔“

ماریہ کا کتابیں پڑھنا، دادی اماں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا، چناں چہ ادھر بیٹھک سے ماریہ کتاب لیے گزری اور دادی اماں نے اپنا تبصرہ سنا دیا۔

عظمت صاحب لیب ٹاپ کی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھے تھے، جب اماں نے کڑک دار آواز میں انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کردیا: ”ارے میں کہتی ہوں عظمت! گھریلو لڑکیوں کے ایسے لچھن نہیں ہوتے۔ کیا کرنا کتابیں چاٹ کر، وہی چولہا ہانڈی ہی تو کرنی ہے۔“

عظمت صاحب ہوں ہوں کرتے رہے، جب اماں نے توپ کا رُخ فاطمہ کی طرف کردیا: ”اے منجھلی دلہن! اسے کتابی کیڑا بنانے کے بجائے گھرداری، سینا پرونا، صفائی ستھرائی کرنا سکھاؤ کہ یہی شرفا کی روایت ہے۔

”جی جی اماں! سکھاتی ہوں۔“ فاطمہ نے فوراً سے کہا۔

”ہیں۔۔۔ کیا کرتی ہوں؟ غضب خدا کا! ایک یہ جہان بھر کی پڑھاکو ہمارے پلے باندھ دی گئی تھی اور اب پوتی صاحبہ بھی اپنی ماں کے نقشِ قدم پر چل رہی ہیں۔ اماں نے تیر پہ تیر برسائے۔

”اماں! کیوں پریشان ہوتی ہیں، جب سر پر پڑے گی تو وقت آنے پر سارے شوق دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔“ عظمت صاحب گویا ہوئے۔

”کیا پڑھ رہی ہو سعدیہ؟“ ماریہ نے پوچھا۔

”ناول۔“ سعدیہ نے جواب دیا۔

”عشق معشوقی کے قصوں اور رومانی جملوں کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے ان ناولوں میں۔۔۔؟ اپنی عمر کے مطابق کتابیں پڑھو۔“ ماریہ نے سمجھانے والا انداز اختیار کیا۔

”محترمہ بھی تو پڑھا کرتی تھیں۔“ سعدیہ نے کہا۔

”تھی! اور یہ ضروری ہے کہ میں اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگادوں تو پیچھے تم بھی کود پڑو، بہنا یہ غیر معیاری و غیر اخلاقی ناول تم جیسے کچے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔“ ماریہ نے پھر سمجھایا۔

”مگر میری تمام سہلیاں پڑھتی ہیں، پھپھو، آنی وہ سب بھی تو پڑھتیں ہیں۔“ سعدیہ بولی۔

”اچھی لڑکی! بحث نہیں کرتے، تم میری پکی سہیلی اور پھوپھی زاد بہن ہو جو بات میں تمہیں کہہ سکتی ہوں، وہ کسی اور کو نہیں سمجھا سکتی سمجھی!“ ماریہ نے کہا۔

”نہیں سمجھی! کتاب کا مطالعہ کرنا تو بہت اچھی بات ہے، تم اور پھپھو جانی بھی فارغ وقت میں کتابیں پڑھتے ہو۔ میں کیا غلط کر رہی ہوں اور سنو! میں احسن اور سلمان کی طرح موبائل فون میں غرق نہیں رہتی۔“

”اس کیوں کی وجہ جاننا چاہو گی سعدیہ؟“ پھپھو نے سعدیہ کو متوجہ کیا۔

”جی ضرور!“ سعدیہ نے کہا۔

سعدیہ اور ماریہ کے ساتھ ساتھ پردے کے پیچھے تخت پر بیٹھی دادی اماں بھی ہمہ تن گوش ہوگئیں۔

میرا پورا نام ردائے فاطمہ ہے، میں نے جس نگری میں آنکھ کھولی وہاں ہر طرف کتابوں کا

راج تھا۔ میرے بابا یعنی ماریہ کے نانا میری پیدائش سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ ایسے میں میرے نانا ابا مصباح الہدیٰ نے اپنی بیوہ بیٹی اور نومولود نواسی کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ نانا ابا اردو ادب کے بہت شیدائی تھے۔ وہ لکھنے لکھانے سے اچھا خاصا شغف بھی رکھتے تھے۔ ان کے کمرے میں بڑی سی کتابوں کی الماری میں دنیا جہان کی قیمتی کتابوں کا خزانہ موجود تھا۔ ایک آرام دہ کرسی جس پر بیٹھ کر وہ باقاعدگی سے چند گھنٹے روزانہ کتابوں کا مطالعہ کیا کرتے۔ ان کا کتابی ذوق بہت اعلیٰ تھا۔ بڑے اخبارات و رسائل تک انھیں رسائی حاصل تھی۔ اچھی خاصی تعداد میں لوگ ان کی تحریروں سے استفادہ کرتے اور یہی فن انھوں نے میری امی آبروئے عائشہ میں منتقل کر دیا۔ امی چوں کہ بہت سمجھ دار ذہین خاتون تھیں، وہ سب کچھ بہت جلد سیکھ گئیں۔ نانا ابا جی جیسا مشفق باپ جنھوں نے امی کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی، انھیں لکھنے پڑھنے کے لیے بہترین ماحول اور مواقع فراہم کیے، یہاں تک کہ میری امی آبروئے عائشہ کا ملک بھر کی نامور لکھاریوں اور شاعروں کی فہرست میں شمار ہونے لگا۔ امی جی نے اپنی علمی مصروفیات کے باوجود میری تربیت و پرورش سے ایک لمحے کے لیے بھی غفلت اور کوتاہی نہیں برتی۔ میرے ہوش سنبھالتے ہی سب سے پہلے قرآنِ مجید کی تعلیم کا آغاز کیا۔ وہ روزانہ رات کو سونے سے پہلے مجھے ایک اصلاحی کہانی ضرور سناتیں۔ اگر وہ کہیں مصروف ہوتیں تو یہ ذمے داری نانا ابا بطریقِ احسن نبھاتے اور میں خوب صورت خواب بنتے بنتے نیند کی وادیوں میں چلی جاتی۔ جیسے جیسے بڑی ہوتی گئی میں نے دیگر دینی اور اسلامی کتب کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ ان کتابوں نے مجھے آدابِ زندگی، اطوارِ زندگی اور بہت کچھ سکھایا، پر میں ابھی تک کہانیوں اور ناولوں کے چکر میں نہیں پڑی تھی، کیونکہ نانا ابا اور امی جی اس کے سخت خلاف تھے۔ اس وقت موبائل فون کا تصور خواب تھا۔

ٹی وی بھی شاذ و نادر ہی پایا جاتا۔ ہمارے جیسے علمی اور ادبی گھرانوں میں ٹی وی کی حیثیت حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لینے والے ایک آلے کی سی تھی۔ سو میں نے کتابوں سے پکی دوستی گانٹھ لی تھی۔ نانا ابا کا کتابوں والا کمرہ میرا پسندیدہ ترین کمرہ تھا، جہاں میں یہاں کتابوں کے مطالعے میں ایسا غرق ہو جاتی کہ پاس کھڑے نانا ابا کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہوتا، وہ مجھے ہُو کر کے ڈراتے اور میں خفا ہو جاتی، تب وہ مجھے کتابی کیڑا کہہ کر خوب ہنساتے۔۔۔ انھی کی بدولت میں خاندان بھر میں پڑھا کو کیڑا مشہور ہو گئی تھی۔ مجھے کالج میں داخلہ مل گیا اور میں اپنی تعلیم میں مصروف ہو گئی۔ کالج سے گھر آنے کے بعد اتنی تھکن ہو جاتی کہ مطالعہ کرنے سے دل اُچاٹ ہوتا چلا گیا۔

نانا ابا بہت بیمار ہو گئے۔ امی جی دن رات ان کی خدمت میں لگی رہتیں، پھر ایک دن جیسے قیامت آ گئی، جب زندگی میں پہلی مرتبہ امی جی نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔ ہاں! غلطی سراسر میری ہی تھی، کالج میں داخلے کے بعد وہاں کی لائبریری میں بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی، جب ایک لڑکی نے مجھے اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے کہا: ”آپ اُکتاتی نہیں ایسی خشک کتابیں پڑھتے پڑھتے؟ یہ پڑھیں بالکل تازہ دم ہو جائیں گی، اس سال کی سب سے زیادہ بکنے والی کتاب ہے یہ۔“ یہ کہتے ہوئے وہ لڑکی مسکراتے ہوئے میز پر کتاب اوندھی رکھ کر چلی گئی۔ میں واقعی سخت اُکتائی ہوئی تھی۔ ذہن کو بھٹکنے سے بچانے اور تازہ دم ہونے کی غرض سے وہ کتاب پڑھنے کے لیے اٹھالی۔

پڑھنے کے بعد میرا دماغ سنسنانے لگا۔ یہ خواتین کی تصاویر سے مزیّن ایک رسالہ تھا۔ میں نے پڑھ کر رسالہ وہیں چھوڑا اور گھر چلی آئی، پھر یہ سلسلہ چل پڑا۔ وہ لڑکی مسکراتی ہوئی آتی، حال احوال دریافت کرتی اور کوئی نیا ناول، رسالہ تھما جاتی۔ یہ لغو قسم کے قصے کہانیاں پڑھ پڑھ کر میں ذہنی طور پر بالغ ہو چکی تھی۔

”کیا کر رہی ہو ردائے فاطمہ!“ آبروئے عائشہ بولی۔

”کک کچھ نہیں امی!“ ردائے فاطمہ بولی۔

”ارے گھبرا کیوں گئی؟ یہ کیا ہے؟ استغفرُاللہ“ امی کے منہ سے ایک دم نکلا۔

”امی پڑھنے دیں، بس اختتام پر ہے۔“ ردائے فاطمہ بولی۔

”چپ!“ امی نے کڑک دار آواز میں کہا اور رسالے کو کچن میں لے جا کر آگ لگا دی۔

میں صدمے کی کیفیت میں کھڑی جلتی ہوئی کتاب کو دیکھتی رہی، پھر وہ شیرنی کی طرح مجھ پر جھپٹیں اور مارنے لگیں، وہ بلک بلک کر رونے کے ساتھ بار بار اپنی تربیت اور غفلت پر افسوس کر رہی تھیں۔ وہ مجھ سے سخت ناراض تھیں، انھوں نے نانا ابا سے مشورہ کیا اور پھر میری شادی ہو گئی۔

فاطمہ اس دن کو کیسے بھول سکتی تھی، جب اس کی ماں نے اس کو ایک گھٹیا ناول پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اس ناول کو چولھے پر رکھ کر جلا دیا تھا۔

فاطمہ کی والدہ کو افسوس ہو رہا تھا کہ بیٹی جو کتابیں پڑھنے کی شوقین ہے، لیکن وہ اس طرح کی کتاب پڑھے گی، یہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

آبروئے عائشہ تو بیٹی کی تربیت پیارے نبی مکرّم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں پر کر رہی تھی اور نبی مکرّم ﷺ کے اس فرمان کو کہ ”کسی باپ کی طرف سے اس کی اولاد کے لیے بہتر تحفہ یہ ہے کہ وہ اس کی اچھی تربیت کرے۔“

فاطمہ جب چھوٹی تھیں تو والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تھا۔ آبروئے عائشہ نے بیٹی کی تربیت ماں اور باپ دونوں بن کر کی۔

اولاد کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے دنیاوی زندگی کی رونق کہا ہے، لیکن یہ رونق اسی وقت ہے جب والدین اپنی ذمے داریوں کو احسن طریقے سے پورا کریں۔

بچوں کی صحیح نشوونما اور اخلاقی تربیت دین کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرتے ہوئے اس کو بہترین زیورِ تعلیم سے آراستہ کریں۔

اولاد کی تربیت اور پرورش قرآنِ مجید کی روشن تعلیمات اور سیرتُ النبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل پیرا ہو کر ہی ہم ایک پاکیزہ اور بہترین معاشرہ تشکیل دے سکتے ہیں۔

سعدیہ کو اس کے ”کیوں کا“ اور دادی کو ماریہ کی ”کتب بینی“ کا جواب مل گیا تھا۔ دادی اماں سر پکڑے گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں کہ اچانک تخت پر دھم سے کوئی آ کر بیٹھا تو وہ چونک اُٹھیں۔

”آئے ہائے دل دہلا کر رکھ دیا سلمان!“

”اوہ گرینڈ مام کام ڈاؤن!“ سلمان نے کہا۔

”پاپا کہہ رہے تھے کہ آپ کو کچھ منگوانا ہے تو جلدی سے بتا دیں، کیا چاہیے؟ میں اپنا گیم چھوڑ کر آیا ہوں۔“

”بیٹا! دم بھر کو ٹھہر جاؤ، بھول گئی ذرا یاد کرنے دو۔“

”گرینڈ مام سوری! میرے پاس فالتو وقت نہیں ہے، جا رہا ہوں میں، جب یاد آ جائے تو اپنے لاڈلے پوتے اور فرماں بردار احسن کو بتا دیجیے گا۔“ سوشل میڈیا سے تربیت یافتہ نواسے نے تنک کر اپنی نانی کو جواب دیا تھا۔

ایک طویل آہ ان کے لبوں سے نکلی، تھکن نے ان کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

جدید ٹیکنالوجی نے انسان سے نرمی چھین کر اسے بے حس بنا دیا تھا۔

انھیں تربیت کا فرق صاف نظر آ رہا تھا۔

ردائے فاطمہ ان کی منجھلی دلہن نے اپنی ماں آبروئے عائشہ کی تربیت کا بھرم رکھ لیا تھا۔

دادی اماں کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ ہٹنے کی دیر تھی، کایا آن کی آن میں پلٹ گئی۔ کتابوں سے محبت نے دل میں جگہ بنائی تو آگاہی کی سنہری کرنیں پورے گھر کو روشن کرتی چلی گئیں۔

کایا پلٹ

بشریٰ رفیق

اریبہ اور عروہ دو بہنیں تھیں، اریبہ ایک رحم دل لڑکی تھی اور ہر کسی کی مدد کرتی تھی، جبکہ عروہ کو کوئی کام کہتے تو لڑائی شروع کر دیتی۔ان کے والد احمد صاحب ایک مزدور انسان تھے اور ثمرہ بیگم لوگوں کے کپڑے سلائی کر کے شوہر کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔

ایک دن احمد صاحب کی طبیعت بہت خراب ہو گئی۔ان کے پاس جتنے بھی پیسے تھے، وہ گھر کا راشن لے آئے تھے، دوا لینے کے لیے پیسے ہی نہیں تھے۔

عروہ نے خوشی سے امی کو بتایا! امی میری دوستوں نے چھوٹی سی پارٹی رکھی ہے تو ہم سب نے پلین بنایا ہے کہ ہم ایک جیسا ڈریس لیں گے، مجھے بھی کچھ پیسے چاہیے۔امی نے کہا: ”بیٹا! عید پر جو سوٹ لیا تھا، وہی پہن لو، کیوں کہ اس وقت نہ تمہارے ابو کے پاس پیسے ہیں اور نہ ہی میرے پاس!“

”نہیں امی! میں وہ نہیں پہنوں گی، سب دوستیں ایک جیسا ہی سوٹ لے رہی ہیں، بس آپ مجھے پیسے دے دیں۔“

”آپ کے ابو کام پر نہیں جا رہے، ان کی طبیعت بہت خراب ہے اور میرے پاس جو پیسے تھے، وہ آپ کی بہن کو دے دیے ہیں۔“امی نے پیار سے سمجھایا۔

”کبھی مجھے بھی پیسے دے دیا کریں۔“عروہ بہت سخت لہجے میں بولی۔

امی نے سمجھانے کی بہت کوشش کی، مگر اس کی سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا تھا۔

”مجھے نہیں پتا مجھے فراک چاہیے، چاہے کچھ بھی ہو جائے یہ میرا مسئلہ نہیں۔“عروہ مسلسل ضد کرنے لگی۔

”بیٹا! بات کو سمجھنے کی کوشش کرو اور اللہ تعالیٰ سے مانگو۔“امی نے کہا۔

عروہ غصّہ سے چھت پر چلیں گئی۔اریبہ مدرسے کے بچوں کو پڑھا رہی تھی، اریبہ نے دیکھا کہ عروہ بہت پریشان ہے، وہ نزدیک آئی اور کہا: ”میری پیاری بہن کیا ہو گیا ہے،؟“اس نے بتانا شروع کیا اور امی کی کہی ہوئی تمام باتیں بتا دیں۔عروہ سب کچھ بتانے کے بعد بولی: ”اب آپ مجھے امی کی طرح نہیں سمجھانا، میں پہلے ہی بہت غصّہ میں ہوں، ایسا نہ ہو میں آپ سے ناراض ہو جاؤں۔“اریبہ خاموش ہی رہی۔

اریبہ ابو کا بہت ہی خیال رکھتی تھی۔وہ ابو کے پاؤں دبانے لگی تو ابو نے بہت دعائیں دیں۔

اریبہ شام کے وقت سالن بنا رہی تھی اور عروہ پاس بیٹھے گانے سن رہی تھی۔اریبہ نے پیار سے سمجھایا کہ عروہ موبائل کو بند کر دو اور ابو کے پاس جاؤ۔

”انھوں نے مجھے پیسے نہیں دیے اس لیے میں ان سے خفا ہوں، اریبہ!“

عروہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”کیسی سخت دل کی ہو، اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت دے۔“

اریبہ نے عروہ سے فون چھین لیا۔

”جاؤ! امی کے ساتھ کام میں مدد کرو۔“

”اس گھر میں سب کو مجھ ہی سے مسئلہ ہے، میں ہی یہاں سے چلی جاتی ہوں۔“عروہ بولتے ہوئے چلی گئی۔

اریبہ کو امی نے روٹیاں بنانے کو کہا تو اریبہ نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

ابو کے پاؤں میں بہت شدید درد ہو رہا تھا اور بے ساختہ ابو کے منہ سے ”ہائے میرے اللہ جی!“یہ جملہ نکلا، اریبہ روٹیاں بنانے میں مشغول تھی۔

امی نے عروہ سے کہا: ”بیٹا! ابو کے پاؤں دبا دو۔“تو عروہ منہ بناتے ہوئے پاؤں دبانے لگی۔

ابو کے پاؤں بہت ہی کھردرے پاؤں تھے، احمد صاحب کے سیمنٹ ڈپو پر کام کرنے کی وجہ سے۔

”توبہ ہے، ابو کے پاؤں بہت گندے ہیں، میں نہیں دباؤں گی“عروہ نے امی سے کہا۔

”شرم کرو عروہ! یہ پاؤں ہماری وجہ سے ہی تو ایسے ہوئے ہیں، ابو ہمارے لیے سارا سارا دن دھوپ میں محنت کرتے ہیں اور ہم آرام سے بیٹھ کر کھاتے ہیں۔“اریبہ نے عروہ کو شرمندگی دلائی۔

احمد صاحب ثمرہ بیگم کو بتا رہے تھے ”جہاں میں کام کرتا ہوں، وہاں استاد کام زیادہ لیتے ہیں، لیکن پیسے کم دیتے ہیں، عروہ کپڑوں کی ضد کر رہی تھی، میں شرمندہ ہوں کہ میں اپنی بچیوں کو سکون کی زندگی بھی نہیں دے سکتا، باپ کے ہوتے ہوئے بھی میری بچیوں کو ایسی زندگی گزارنی پڑ رہی ہے۔“

”کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ بچیوں کو آپ سے کوئی شکایت نہیں اور نہ ہی مجھے کوئی شکایت ہے، دوبارہ آپ ایسی باتیں نہ کیجیے گا، بچیوں کو آپ کی بہت فکر ہے۔“امی کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

رات کو امی ابو کے جوتے دھو رہی تھیں، عروہ نے دیکھا جوتوں کی حالت بہت خستہ ہے، عروہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اسے بہت دکھ ہوا، اس نے دل میں اپنے رویے پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور رو رو کر اپنے گناہوں پر توبہ کی۔صبح ہوتے ہی عروہ نے سب سے معافی مانگی اور اپنے کیے پر بہت پشیمان ہوئی۔

”ابو جی! میں آج سے آپ کی بیٹی نہیں بیٹا ہوں۔“عروہ نے ابو سے کہا۔

ابو نے دونوں بچیوں کو پیار کیا اور گلے لگایا۔ابو کی طبیعت میں اب کافی بہتری آ گئی تھی، اس لیے ابو نے کام پر جانا شروع کر دیا اور عروہ سے کہا: ”بیٹا! کبھی بھی مایوسی کو اپنے قریب مت آنے دینا، اللہ بہت بڑا ہے۔“

بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگناسٹک سینٹر

BAITUSSALAM

اپنی نوعیت کی منفرد اور معیاری لیبارٹری

- او پی ڈی
- ایکسرے
- الٹرا ساؤنڈ

اور تمام اقسام کے تشخیصی ٹیسٹ دستیاب ہیں

- ہیماٹولوجی
- کیمیکل پیتھالوجی
- مائکروبایولوجی
- مالیکیولر پیتھالوجی / پی سی آر
- امیونولوجی اور سیرولوجی

مناسب قیمتوں میں

مستحقین زکوۃ کیلئے مفت ٹیسٹ کی سہولت

خدمت، عزت اور احترام کے ساتھ

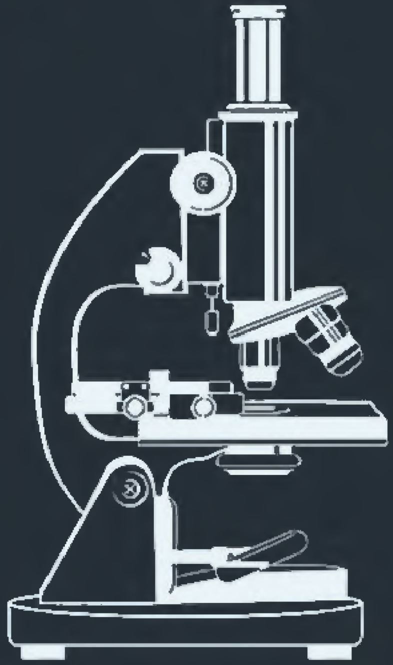

برائے رابطہ

+92 21 35392634

+92 334 2982988

lab@baitussalam.org

شوروم نمبر 01، گراؤنڈ فلور، رائل ٹاورز
مین کورنگی روڈ، نزد قیوم آباد چورنگی
PSO پمپ سے متصل کراچی۔

”تو مر کیوں نہیں جاتی جنم جلی، تیرے ہوتے کون سا سکھ ملا ہے مجھے جو تیرے نہ ہونے سے کوئی فرق پڑے گا۔ کرم جلی، کم نصیب، بدبخت، منحوس“ شائستہ مسلسل عمارہ کو کوسے جا رہی تھی۔
”امی! پانی پی لیں، حلق سوکھتا ہوگا آپ کا!“ پندرہ سالہ عمارہ نے اپنی امی شائستہ کی جانب دائیں ہاتھ سے گلاس بڑھایا اور بائیں ہاتھ ڈوپٹے کے پلو سے آنکھوں سے گرتے موتی صاف کرتے ہوئے پیار سے کہا۔
”مر کہیں جا کر بے غیرت! تیرے ہوتے تو زندگی کو سوکھا لگا ہے میرے۔“ تیری جگہ جو بیٹا جنا ہوتا تو شان مجھے طلاق نہ دیتا، نہ تو ہوتی نہ میرا گھر خراب ہوتا۔ شائستہ نے گلاس کو ہاتھ دے مارا، اسٹیل کے گلاس کے گرنے سے عمارہ کے دل کے ٹوٹنے کا شور دب گیا اور سارا پانی فرش پر بہ گیا اور ایک سیلِ رواں ادھر عمارہ کی آنکھوں سے جاری ہو گیا، عمارہ بِلک کر رہ گئی۔
عمارہ دن بھر کی تھکن سے چور تھی، سو جلد ہی آنکھ لگ گئی۔

”دھی رانی روٹی کھائی ہے۔“ نانی اماں نے پیار سے پوچھا۔
”جی نانی امی! بہت مزے دار تھی بھاجی! آپ نے تو خوب کھلایا۔ مزہ آگیا! کچھ زیادہ ہی کھا گئی۔“ عمارہ نے پلیٹ باروچی خانے میں کھڑی نانی امی کو دیتے ہوئے کہا۔
”چندا بٹیا میری! سب اپنے نصیب کا کھاتے ہیں۔ اللہ سائیں سب کا پالن ہار ہے۔ کوئی کسی کو نہیں کھلاتا، وہ کھلاتا ہے سب کو، ہمارا مالک ہمارا اللہ۔ سب اپنے نصیب کا رزق لے کر آتے ہیں۔ بس حلال کماؤ حلال کھاؤ! بے ایمانی کی روٹی پر پلنے والا جسم جہنم کی آگ میں جلے گا۔“ نانی نے عمارہ کو سمجھاتے ہوئے کہا۔
”نانی امی! جہنم میں تو امی جلتی ہے میری وجہ سے۔“ چھ سالہ معصوم سی عمارہ نے نانی امی کی بات پر سوال داغ دیا۔

رحمت

مہوش اشرف

”نہیں نہیں چندا! وہ تو بیمار ہے، بخار جب سر پر چڑھ دوڑے تو لوگ ایسے ہی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔“ نانی امی نے ننّھی عمارہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔
”ہاں! میرے سر پر تو بخار چڑھا ہے، جبھی تو اس جنم جلی کے کرم کا پھل شان نے طلاق کے طوق کی صورت میں میرے گلے ڈال دیا، نہ یہ ہوتی نہ میرا گھر خراب ہوتا۔ مجھے اللہ سائیں بیٹا دیتا نا رحیمہ کی طرح تو میرا ابھی گھر بسا رہتا۔“
”تو کوئی تعویذ کرتی تو بیٹا ہوتا رحیمہ کی ساس کی طرح، پر نہیں۔۔۔ تجھے تو میری زندگی کو روگ لگانا تھا، اب پال اس جنم جلی کو اور میں جہنم میں جلتی رہوں تو جلوں، تجھے کیا فرق پڑتا ہے۔“ شائستہ نے پلو سے آنسو پونچھے۔
”نہ بٹیا نہ! کم نصیب تو وہ تھا موا! جو قدر نہ کی۔ اپنی جنت خود پھونک دی، جلتا تو وہ ہوگا جہنم میں بٹیا! رحمت آئی تھی گھر، لوگ تو ترستے ہیں اولاد کو اس نے کفر بندھا رب سے دنیا اور آخرت خراب کی اُس نے، تُو سمجھ دار ہے، اللہ کو منہ دینا ہے ہمیں! تعویذ کرنے کرانے والے جہنم میں جلیں گے بٹیا!“ اماں نے پیار سے سمجھاتے، گلے لگاتے کہا تو زرینہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
”نانی اماں! یہ اماں کیوں روتی ہے بات بات پہ؟“ ننّھی عمارہ نے پھر سوال کیا۔
”جھلی ہے نا تیری اماں!“ نانی اماں نے بات بنانے کی کوشش کی۔
”پر میں جو رحیمہ خالہ کا منصور ہوتی تو ابا اماں ساتھ رہتے، منصور کے ابا اماں کے جیسے۔“ عمارہ نے زرینہ کے جلے پہ نمک چھڑک دیا ہو جیسے۔
”چٹاخ!“ تھپڑ رسید کر کے شائستہ نے اپنے پھوٹے بخت کا بدلہ ننھی عمارہ سے لے لیا ہو جیسے۔ ننھی عمارہ تڑپ کر رہ گئی، بلک کر نانی اماں کے آنچل میں پناہ لی۔
عمارہ کی آنکھ کھل گئی، بخت کی سیاہی کی طرح رات گہری ہو چکی تھی۔ اندھیرے میں لیمپ کا تیل کم ہونے کی وجہ سے چراغ کی لو کم اور سکوت میں سرد رات میں چلتی ہوا کھڑکی پر دستک کی مانند بج رہی تھی۔ وہ خوف کے عالم میں نانی اماں کو پکار بیٹھی۔ ”نانی اماں!“
”چندا رانی! پھر بنا کلمہ پڑھے سو رہی تھی۔ عشاء کے بعد سو جایا کر دیر رات تک نہ جاگا کر۔“ نانی اماں نے عمارہ کا سَر اپنی گود میں رکھ کر اُس کا سر سہلایا، میری گڑیا کلمہ پڑھ۔ رضائی میں منہ دیے وہ کلمہ پڑھ رہی تھی۔

”بٹیا رانی! بسمہ اللہ پڑھ۔“ نانی اماں نے منہ میں شکر کے دانے ڈالے۔
”نانی اماں! میوے والا گڑ کھانا ہے۔“ عمارہ نے شکر منہ میں لی تو فرمائش کر ڈالی۔
”چندا! بس پینشن آ جائے تیرے نانا ابا کی تو گڑ لینے چلیں گے سب سے پہلے۔“ نانی اماں نے عمارہ کی تھوڑی پر ہاتھ لگاتے منانے کے انداز میں کہا۔
پر عمارہ کو ناراض ہونا کہاں آتا تھا؟ اُس کا خمیر تو محبت سے گوندھا گیا تھا۔ شان اور شائستہ کی پسند کی شادی تھی، پر آٹھ بہنوں کے بھائی کو بیٹی بھلی نہ لگی اور طلاق دے کر دونوں عورتوں سے جان چھڑائی۔ یوں شائستہ، عمارہ کو لے کر میکے آ گئی، باپ مر چکا تھا۔ ماں نے دل و جان سے بیٹی اور نواسی کی خدمت کی، محبت دی، پر شائستہ کا دکھ کم نہ ہوا۔ بڑی بہن رحیمہ اور ماں بہت سمجھاتے پر اُس کی مت ماری گئی تھی۔ اُسے تو بس عمارہ ہی قصوروار نظر آتی تھی۔
”باجی عذرا! میری چندا رانی کل سے مدرسے آئے گی۔ بٹیا! کلمہ پڑھ! اوّل کلمہ طیّب، طیّب معنی پاک، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ“ عمارہ نے کلمہ پڑھا۔
گلہ صاف کرتے مولوی صاحب گھر میں داخل ہوئے تو نانی اماں نے گھونگھٹ کاڑ لیا۔ بھئی سبحان اللہ! ماشاءاللہ! بہت خوش الحان ہے۔ مولوی صاحب نے میوے والی گڑ کی ڈالی عمارہ کی طرف بڑھائی۔
رب کتنا کارساز ہے، نانی اماں نے دل ہی دل میں الحمد للہ کہا۔
”ماشاءاللہ، بٹیا! داخلہ پکا کل ظہر تا عصر مدرسہ لگے گا، جمعہ چھٹی۔“ بی بی عذرا نے داخلہ دے دیا۔
نانی اماں عمارہ کے واری نیاری ہو گئیں، ذہین عمارہ کی آنکھوں کی چمک میوے والی گڑ کی ڈلی نے مزید بڑھا دی۔

یوں عمارہ کو تین برس کی عمر میں اسکول کے بعد مدرسے میں بھی داخلہ مل گیا تو شائستہ کو بھی چین ملا۔ اب دن کے چند گھنٹے شائستہ اور عمارہ کو سکون کی سانس کے ملتے، نہ ڈری سہمی بچی تماچوں سے گھبراتی نہ اپنی ہی آگ میں جلتی۔

اُسکول کا آخری سال تھا۔ زندگی ایک بھونچال سے گزر گئی۔ نانی اماں اُس رات کا سویرا نہ دیکھ سکیں اور ایک اندھیرا عمارہ کی زندگی میں ٹھہر گیا۔

"پڑی سوتی رہے گی کیا، میرے سر میں بہت درد ہے مجھے چائے دے۔ اب کون سی پینشن آنی ہے، ماں کے ساتھ گئے سب چین کے دن! اب تو کماؤ گے تو جہنم کی آگ مٹے گی۔ چل جلدی چائے دے میں فیکٹری کو نکلوں۔"

"السلام علیکم!" عمارہ نے صبح کا سلام کیا اور باورچی خانے کی طرف بڑھ گئی۔

"امی! چائے۔"

"تیرے ہوتے کوئی اور تو میرا نہ ہوا موئی! ایک چائے ہی میری ہے۔" شائستہ نے ٹرے میں فقط چائے کا کپ دیکھا تو مزید کہا: "وہ پاپے کیا ہوئے جو کل لائی تھی؟ سب کھا مری کیا تو۔۔۔" عمارہ باورچی خانے کی طرف دوڑ گئی۔

"امی، پاپے!" "ہیں۔۔۔ یہ تو نے نہیں کھائے کیا؟ ویسے کے ویسے ہی رکھے ہیں۔"

"نہیں بھوک نہیں لگی۔" عمارہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"اچھا میں چلی! جب بھوک لگے کھا مرلینا۔" شائستہ نے چادر اوڑھی اور چلتی بنی۔

"عمارہ نے برتن سمیٹے اور باورچی خانہ سمیٹنے میں لگ گئی۔ برتن دھو کر ایک کپ چائے بنائی اور دالان میں بیٹھ گئی، سردی سی محسوس ہوئی تو واپس اپنے کمرے میں آ بیٹھی۔"

"بٹیا! پراٹھہ بنا دوں!" ایک بار پھر اُس کے کان گونجے۔ یہ نانی اماں چلی گئی ہیں تو بار بار کیوں آ جاتی ہیں۔ باورچی خانے سے پھر آواز آئی۔

"بٹیا! پراٹھہ بنا دوں؟ کل سے کچھ نہیں کھایا تو نے میری چندا! ایسے بیمار ہو جائے گی۔" عمارہ نے سر جھٹک دیا اور چائے کا گھونٹ بھرا۔ کڑوا سا ایک احساس سارے گلے میں پھیل گیا۔

"چائے اچھی نہیں بنی، پر امی نے پی لی، اس کا مطلب اتنی بُری نہیں بنی، ورنہ وہ کپ ہی منہ پہ دے مارتیں۔" عمارہ اس خیال سے کانپ کر رہ گئی۔

سارا بدن ٹوٹ رہا تھا، جسم میں درد بڑھ گیا تو عمارہ نے تکیہ سنبھالا۔

"سر تو دکھے گا بٹیا! روٹی کھالے۔" آنکھیں بند کیں تو ایک بار پھر نانی اماں آ دھمکیں۔

"گولی دوں؟ بخار ہے تجھے تو!" ماتھے پہ ہاتھ رکھا تو جسم جل رہا تھا۔ "تیری امی ناسمجھ ہے، پر تُو، تُو سمجھ دار ہے نا! شان نے اُس کی مت مار دی ہے، اُسے کچھ نہیں دِکھتا، بس شان کی وجہ سے دنیا اور آخرت کا خسارا سمیٹ رہی ہے۔ رحمت ہے تو میری بیٹی ہے۔ اللہ کا احسان ہے تو میرے گھر کی رونق ہے۔" نانی اماں نے اپنی گود میں سر رکھ لیا۔

عمارہ کو دوا اور پراٹھا کھلایا، عمارہ کی آنکھ لگ گئی۔

نانی اماں کی وفات کے بعد سے عمارہ کا یہی معمول تھا، وہ غیر ارادی طور پر ایک نادیدہ طاقت کے زیرِ اثر تھی، یہ چاہت تھی یا آسیب۔۔۔ پر اُس کی زندگی کے سبھی رنگ نانی اماں کے غیر مرئی وجود سے تھے۔

بخار ہلکا ہوا تو عمارہ نے گھر کی جھاڑ پونچھ کی، کھانا چڑھایا اور دوپہر کا کھانا کھانے بیٹھ گئی۔

"طبیعت ہلکی ہوئی نہ تو بھوک کھلی۔" نانی پہلا نوالہ ہی منہ میں لیتے وارد ہو گئیں۔ کھانے کے بعد پڑھائی کر، امتحان سر پر چڑھ دوڑے ہیں۔ کیا ساری عمر جھاڑو لگانی ہے؟ نانی اماں ہنس دیں تو عمارہ بھی ہنس دی۔

کھانے سے فارغ ہوئی تو گیارہویں کے پرائیوٹ امتحان کی تیاری کے لیے رحیمہ خالہ کے بیٹے ظہیر کی دی ہوئی کتابوں سے پڑھائی شروع کر دی۔

"ٹھک ٹھک!" دروازے پر دستک ہوئی تو عمارہ دروازے کی طرف متوجہ ہوئی۔

"جا آ گئی تیری امی، رات میں بات ہوگی۔" نانی اماں نے رخصت لی۔

عمارہ نے کتابیں بند کیں اور چارپائی سے پیر اتارے۔

"عمارہ! دروازہ کھول، کیا سو رہی ہے اپنے نصیبوں کی طرح؟" شائستہ نے اس بار آواز دی۔

"السلام علیکم، امی!" عمارہ نے دروازہ کھولا۔

"وعلیکم السلام!" اچھا ہے، صاف ہے گھر، شاباش! چائے بھی مزیدار ہے اور کھانے کی خوشبو بھی اچھی آ رہی ہے۔ شائستہ نے عمارہ کو پیار کی نظر سے دیکھا۔ ایک پل میں عمارہ کو لگا کہ نانی اماں امی پر حاوی ہو رہی ہوں۔

"خالدہ ہے نا فیکٹری والی! آج بہت رو رہی تھی۔" شائستہ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"کیوں رو رہی تھیں خالدہ آنٹی بھلا؟" عمارہ نے سوال کیا۔

"سعید ہے نا! نامراد نے اُسے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا، پورے چودہ سال بعد!" شائستہ نے وجہ بتائی۔

"پر امی اس میں بھلا آنٹی کیوں رو رہی ہیں، یہ تو اللہ کی مرضی ہے، خود اللہ پاک قرآنِ پاک میں فرماتے ہیں۔" وہ اللہ ہے، جسے چاہے بیٹا دے، جسے چاہے بیٹی، جسے چاہے دونوں دے اور جسے چاہے نہ دے۔" یہ تو اللہ کی امانت ہے، اللہ کا مال ہے۔۔۔ اس میں بندے کا کیا عمل دخل؟ وہ کیوں روتی ہیں اللہ کی رضا میں راضی رہیں۔" عمارہ نے چائے کا کپ باورچی خانے میں رکھتے امی کا اچھا موڈ دیکھ کر بات کہہ ڈالی۔ شائستہ بت بنی بیٹھی تھی، حیرت سے عمارہ کو تک رہی تھی۔

"نانی اماں کہتی ہیں کفر نہیں کرنا، بس باقی ساری مصیبت آزمائش ہے ہماری! دنیا آزمائش گاہ ہے، وہ دے کر بھی آزماتا ہے، لے کر بھی آزماتا ہے۔ بندے کو جلاتا کندن بنانے کے واسطے، جہنم کی آگ نہیں، آگہی کی آگ کے واسطے، تاکہ بندہ جہنم کی آگ سے دور ہو جائے اور دنیا ہی میں آخرت کے لیے جنّت پانے کو کامیاب ہو جائے، جیسے پاس ہو کر دوسرے درجے میں جاتے ہیں، جنّت میں جانے کو یہ امتحان جسے دنیا کہتے ہیں، پاس کرنا ضروری ہے۔" عمارہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔

شائستہ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے، وہ پچھتاوے کی آگ میں جل رہی تھی اور آنسوؤں سے اپنی آگ بجھانا چاہتی تھی۔

"امی! کیوں روتی ہیں آپ! آپ نہ رویا کریں۔" عمارہ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

"میری چندا بٹیا!" شائستہ نے عمارہ کو پکارا تو عمارہ بلک کر رہ گئی۔

"بٹیا! مجھے معاف کر دے۔ میں کفر کرتی رہی، تیرا دل توڑا میں نے، میں شرمندہ ہوں۔ میرے پاس رحمت آئی تھی، میں نے ناقدری کی تیری، تیرے ہوتے تو رونق ہے میرے آنگن میں، اگر میں بے اولاد ہوتی تو آج حلق میں پانی ڈالنے کے واسطے بھی کوئی نہ ہوتا تو میری زندگی، میری بٹیا ہے، میری دنیا میری جان! مجھے معاف کر دے۔" شائستہ نے عمارہ کے آگے ہاتھ جوڑ دیے، عمارہ نے ماں کو گلے لگا لیا۔

شائستہ اور عمارہ کی زندگی میں سکون اور ٹھہراؤ آ گیا۔ دونوں اللہ کی رضا میں راضی تھیں۔ اُس رات نانی اماں خواب میں آئیں، بہت خوش اور مطمئن۔۔۔!!

وقت پَر لگا کر اُڑ رہا تھا۔ عمارہ کا بی۔اے کا رزلٹ آ گیا تھا، ساتھ اِسکل بیسڈ لرننگ کے کئی کورس کر چکی تھی۔ اب شائستہ اور عمارہ آن لائن بزنس کر رہے تھے۔ شائستہ کو عمارہ پر فخر تھا، ایسے میں دکھ درد کی ساتھی رحیمہ خالہ دونوں کے ہم قدم تھیں۔ خالو اصغر بھی بھلے آدمی تھے، ورنہ نانی اماں کے بعد زندگی اتنی آسان نہیں تھی۔ اِسکل لرننگ کا مشورہ بھی اصغر خالو کا ہی تھا۔ ظہیر کے الیکٹرک میں گورنمنٹ جاب حاصل کر چکا تو خالہ خالو نے عمارہ کا ہاتھ ظہیر کے لیے مانگا اور یوں ظہیر نے عمارہ کی زندگی میں خوشیوں کے رنگ بھر دیے۔

شادی کے ایک سال بعد عمارہ نے ننّھی سی شہزادی کو جنم دیا۔ خاندان میں رحمت آئی تھی، سب نے دل و جان سے استقبال کیا۔

بیت السلام موبائل ایپ
Available on the App Store
GET IT ON Google Play
قبلہ ڈائرکشن
ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
آن لائن ڈونیشن
زکوۃ کیلکولیٹر
لائیو اور ریکارڈ بیانات
روزمرہ کی دعائیں
قرآن کریم
نماز ٹائمنگ

صبر کا پھل

ڈاکٹر الماس روحی

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت پیارے نبی تھے۔ بچپن ہی سے آپ نیک اور صالح تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ظاہر اور باطن دونوں کے حسن و جمال سے نوازا تھا۔ آپ خوش خلق تھے اور اللہ کی مخلوق سے محبت کرتے تھے۔ آپ کے دوست عزیز و اقارب سب عزت کی نگاہ سے انھیں دیکھتے تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا۔ آپ کے سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔ ہزار ایکڑ زمین تھی، جس پر سب سے بہترین فصل اُگتی تھی۔ پانچ سو غلام تھے اور آپ کی پانچ سو لونڈیاں تھیں، خدمت گزاروں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی، جو ہر وقت آپ کی اور آپ کے اہلِ خانہ کی خدمت پر مامور رہتے تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام اٹھتے بیٹھتے اللہ کا شکر ادا کرتے، شکر کرنے سے اللہ تعالیٰ نعمتوں میں اضافہ فرماتے تھے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی کے اسّی سال بہت خوش حال گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت میں فراوانی عطا کی، آپ عاجزی سے عبادت میں مشغول رہتے اور کثرت سے اذکارِ الٰہی کرتے۔ شیطان آپ کی عبادت دیکھ کر جلتا تھا۔ آسمان پر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے حضرت ایوب علیہ السلام کی عبادت کا ذکر کرتے۔

ایک اور شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا: "اے اللہ! یہ تیرا بندہ تیری عبادت اس لیے کرتا ہے تو نے اسے بے شمار نعمتیں دے رکھی ہیں، اگر اس سے تیری نعمتیں چھین لی جائیں تو یہ تیری ہر گز عبادت نہ کرے گا۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "نہیں، یہ میرا بندہ مجھ سے سچی محبت کرتا ہے۔ یہ میری عبادت کبھی ترک نہیں کرے گا۔" شیطان نے فوراً کہا: "اگر تو مجھے اس کے مال پر اختیار دے دے تو میں تجھے اپنی بات ثابت کر کے دیکھاؤں۔" اللہ تعالیٰ نے اسے اختیار دے دیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام جو اپنی چار بیویوں اور بیٹے بیٹیوں کے ساتھ خوش حال زندگی گزار رہے تھے، آپ کے صبر کا امتحان شروع ہوا، شیطان نے اپنے چیلوں کو جمع کیا اور سب سے پہلے فصلوں کو آگ لگادی اور خود آپ کے ملازم کی شکل میں آپ کے پاس گیا اور کہنے لگا: "ارے! آپ کی ساری فصلیں جل گئیں اور آپ عبادت کر رہے ہیں؟" حضرت ایوب علیہ السلام فرمانے لگے: "وہ جس کا مال تھا، اس نے لے لیا، جیسے اس کی مرضی!" حضرت ایوب علیہ السلام یہ کہہ کر پھر عبادت میں مشغول ہوگئے اور خدا کی شکر گزاری کرنے لگے۔ شیطان یہ سُن کر حسد کی آگ میں اور جلا، غیب سے ندا آئی: "اے لعین! ایوب میرا صالح اور شاکر بندہ ہے، اس پر تیرا کوئی وار اثر نہیں کر سکے گا۔" شیطان نے کہا: "اے خدا! تو نے اس کو دولت و ثروت عطا کی ہے، اس کی آنکھیں اولاد کے دیدار سے روشن ہیں، یہ تیرا شکر کیوں نہ بجالائے، اگر تو اس سے یہ ساری نعمتیں چھین لے تو تجھے ہر گز یاد نہ کرے گا اور یہ تیری عبادت گذاری سے بے زار ہو جائے گا۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اے ابلیس! میرے بندے کے بارے تیرا گمان بالکل غلط ہے۔" شیطان نے کہا کہ "اے پروردگارِ عالم! مجھے اس کی اولاد اور پورے مال پر اختیار دے دے تو تمہیں معلوم ہو گا یہ کس طرح تیری بندگی کرتا ہے۔" یوں اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ایوب علیہ السلام کی اولاد اور مال پر اختیار دے دیا۔ شیطان نے اپنے تابع داروں کو جمع کر کے حضرت ایوب علیہ السلام کے مال مویشی دریا میں غرق کرادیے۔ شیطان خود گوالے کی صورت میں تھا اور اس نے مال مویشی ڈوب جانے کی خبر دی تو حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: "خدا کا شکر ہے، اس نے اپنے فضل سے دیا اور عدل سے لے لیا۔" پھر شیطان نے حضرت ایوب علیہ السلام کی زراعت کو آگ لگادی، ساری فصلیں جل کر راکھ ہو گئیں۔ شیطان ایک کسان کے بھیس میں آیا، آپ کو نماز پڑھتا دیکھ کر بولا: "آپ

نمازوں میں لگے ہوئے ہیں، ادھر آپ کے سارے کھیت اور باغات جل کر فنا ہو گئے ہیں۔" حضرت ایوب علیہ السلام نے پھر وہی جواب دیا: "اللہ نے جو کچھ اپنے فضل سے دیا، وہ اپنے عدل سے لے لیا۔" اور حضرت ایوب علیہ السلام دل جمعی کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو گئے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی سب اولاد ایک مکان میں عبادت میں مشغول تھی۔ شیطان نے اس مکان کو ان پر گرادیا اور ان کے گھر کا سامان تباہ و برباد کر دیا۔ وہ ملعون ہر چیز کی تباہی کی خبر دیتا رہا، حضرت ایوب علیہ السلام اسی طرح سے عبادت کرتے رہے اور یہ ہی کہتے رہے "یہ نعمتیں اللہ پاک نے اپنے فضل سے مجھے عطا کیں اور اپنے عدل سے لے لیں، بے شک میرا رب ہر چیز پر قادر ہے۔" حضرت ایوب علیہ السلام نے توکل اور قناعت کی رسی تھامے رکھی۔ اپنے مزاج میں بدلاؤ نہ لائے، کبھی خدا سے شکوہ نہ کیا۔ شیطان نے جب آپ کی استقامت دیکھی تو خدا سے آپ کے بدن پر اختیار چاہا اور کہا کہ "اے خدا! مجھے ان کے بدن پر اختیار دے، دیکھتا ہوں تیری کس طرح

عبادت کرتا ہے۔" پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ "بغیر زبان اور دل اور کانوں کے میں نے تجھے تسلط دے دیا، یہ تو کر کے دیکھ لے۔" چناں چہ شیطان جادوگر کا روپ لے کر آیا اور آپ کے ناک میں پھونک ماری، پھونک اتنی گرم تھی، جس کی حرارت سے پورے بدنِ مبارک میں خارش ہوئی، جس سے گوشت پوست پھٹنے لگا اور تمام بدن میں کیڑے پڑ گئے۔ لوگوں نے کراہت سے شہر کے باہر ایک جھونپڑی میں ڈال دیا، ہر کوئی آپ سے بے زار ہو گیا۔ آپ کی چار بیویاں تھیں، سوائے رحمت بی بی کے تین بیویوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ رحمت بی بی ایک نیک عورت تھیں، انھیں آپ سے بہت محبت تھی۔ وہ ہر وقت کی خدمت کرتیں، آپ روز بروز کم زور اور لاغر ہوتے جا رہے تھے، جب سب مال و دولت ختم ہو گیا تو بی بی رحمت نے لوگوں کے گھروں میں کام کرنا شروع کر دیا جو مزدوری ملتی نصف مزدوری خدا کے نام حضرت ایوب علیہ السلام کا صدقہ پانی دے دیتیں اور نصف سے حضرت ایوب علیہ السلام کو کھلاتیں، انھیں دوا لا کر دے دیتیں۔ رحمت بی بی جب مزدوری کے لیے جاتیں تو راستے میں شیطان کھڑا ہوتا اور کہتا: "تو جوان اور خوب صورت ہے، اپنی جوانی کو کیوں ایک بیمار آدمی کی خدمت میں برباد کر رہی ہو، اپنے بیمار شوہر کو چھوڑ دو، مصر میں ایک دولت مند سردار ہے، میں تجھے اس کے نکاح میں دے دوں گا، تو خوب عیش کرے گی۔" بی بی رحمت اس کی باتوں کو اَن سنا کرتیں، بلکہ واپسی پر وہ سارا حال حضرت ایوب علیہ السلام کو سنا دیتی۔ حضرت ایوب علیہ السلام فرماتے کہ "وہ ابلیس لعین ہے تو اس کی باتوں پر فریفتہ نہ ہونا۔" حضرت ایوب علیہ السلام کا مال برباد ہو گیا، جسم مبارک مریض ہو گیا، آپ کے جسم مبارک میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی، جہاں بیماری نہ ہو، صرف دل اور زبان سلامت تھے۔ فقیری اور مفلسی کا یہ حال تھا کہ ایک وقت کا کھانا پاس نہ تھا، کوئی ایسا نہ تھا ان کی خبر گیری کرتا، سب نے ان کو چھوڑ دیا تھا، وہ جو سب سے زیادہ مال دار تھے، اولاد جن کی تابع دار تھی اور دنیا کی ہر راحت ان کے پاس موجود تھی، ہر چیز چھین لی گئی۔ انھیں شہر سے باہر کوڑا کرکٹ کی جگہ لا بٹھایا، اسی حالت میں کئی سال گزر گئے۔ اپنوں اور غیروں نے منہ پھیر لیا۔ آپ کے دو مخلص دوست صبح و شام خیریت و مزاج پُرسی کے لیے آتے اور دور کھڑے ہو کر آپ سے بات کرتے۔

ایک مرتبہ ایک نے دوسرے سے کہا: "میرا خیال ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے خدا کی بڑی نافرمانی کی ہے کہ اٹھارہ سال سے اس بلا میں مبتلا ہیں اور خدا ان پر رحم نہیں کرتا۔" یہ بات جب حضرت ایوب علیہ السلام نے سنی تو انھیں رنج ہوا اور اپنی بیوی سے کہنے لگے: "میں نہیں جانتا، لوگ ایسا کیوں کہتے ہیں؟ خدا خوب جانتا ہے۔ میری تو یہ حالت تھی، جب دو آدمی آپس میں جھگڑتے اور خدا کو درمیان میں لاتے تو مجھ سے دیکھا نہ جاتا کہ خدا کے پاک نام کو اس طرح یاد کریں، کیوں کہ دو میں سے ضرور ایک مجرم ہو گا۔ میں اپنے پاس سے مال دے کر ان کے جھگڑے ختم کرتا کہ خدا کے نام کی بے ادبی نہ ہو۔" حضرت ایوب علیہ السلام کو جسم مبارک کی بیماری کی شدّت نے کم زور کر دیا۔ آپ چلنے پھرنے سے بھی قاصر ہو گئے۔ ایک دن آپ کی بیوی صاحبہ گھر پر نہ تھیں، آپ بہت تکلیف میں تھے، آپ نے کپکپاتے ہونٹوں سے حضورِ قلب کے ساتھ دعا کی: "اے میرے پالن ہار خدا! مجھے دکھ نے تڑپا دیا ہے اور تو ارحم الراحمین ہے۔" اسی وقت رحیم و کریم نے ان کی دعا کو قبول فرمایا اور حکم ہوا کہ زمین پر اپنا پاؤں مارو، پاؤں لگتے ہی وہاں پانی کے دو چشمے بن گئے، ایک غسل کرنے کے لیے اور دوسرا پینے کے لیے تھا۔ نہانے کے پانی سے بدن کی ظاہری بیماری چلی گئی اور پینے سے آپ کی باطنی بیماری جاتی رہی اور آپ کامل تن درست ہو گئے۔ شام کو جب رحمت بی بی آئیں تو ان کے آنے سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو عمدہ لباس پہنا دیا تھا۔ رحمت بی بی نے جب گھر میں آکر دیکھا تو وہاں مریض شوہر نہ پایا اور کوئی تن درست نورانی چہرے والا آدمی بیٹھا دیکھا تو ان سے دریافت کرنے لگیں: "اے اللہ کے بندے! یہاں اللہ کے ایک نبی تکلیف میں مبتلا تھے، آپ نے انھیں دیکھا ہے یا نہیں؟ واللہ جب وہ تن درست تھے تو تم جیسے تھے۔" آپ نے مسکرا کر فرمایا: "وہ میں ہی ہوں۔" بی بی رحمت یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔ آپ نے سارا واقعہ اُن سے بیان فرمایا اور وہ خدا کا شکر ادا کرنے لگیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی دو کوٹھیاں تھیں، ایک گیہوں کے لیے اور ایک جو کے لیے، پروردگارِ عالم نے دو ابر بھیجے ایک سے سونا بھیجا اور ایک سے اناج! آپ کی دونوں کوٹھیاں ایک اناج سے اور دوسری سونے سے بھر گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت ایوب علیہ السلام کی مردہ اولاد کو زندہ کر دیا اور مزید اولاد عطا فرمائی۔ ایک روز حضرت ایوب علیہ السلام غسل فرما رہے تھے کہ آسمان سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں، آپ نے جلدی جلدی ان کو اپنے کپڑے میں سمیٹنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی ندا آئی: "اے ایوب! کیا میں نے تمھیں غنی اور بے پروا نہیں کر دیا؟" آپ نے جواب دیا: "خدایا! بے شک تو نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے، میں اس سے غنی اور بے نیاز ہوں، لیکن تیری رحمت سے بے نیاز نہیں، بلکہ اس کا تو پورا محتاج ہوں۔" اللہ تعالیٰ نے اپنے صابر پیغمبر حضرت ایوب علیہ السلام کو نیک بدلے اور بہتر جزائیں عطا فرمائیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا پھل کثیر مال و دولت اور نیک اولاد تھی۔ آپ ایک سو چالیس سال زندہ رہے۔ آپ نے اپنی اولاد چار پشتوں تک دیکھی۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے روم میں اسلام کی دعوت دیتے رہے اور وہیں آپ نے وفات پائی۔ آپ اللہ کی نعمتوں پر تاحیات صبر اور شکر کرتے رہے۔ یہ "صابر" کا لقب اللہ تعالیٰ انھیں ان کے صبر پر عطا کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت ایوب علیہ السلام جیسا صابر اور شکر کرنے والا بنائے۔ آمین

مشکل الفاظ	معنی	مشکل الفاظ	معنی
اذکارِ الٰہی	اللہ کا ذکر	فراوانی	بہت زیادہ
ترک	چھوڑنا	لعین	شیطان
کراہت	گھن	کامل	مکمل
گوالہ	دودھ دوہنے والا	پالن ہار	پالنے والا
دل جمعی	دل لگا کر	باطنی	اندرونی
ملعون	شیطان	ظاہری	بیرونی
حصولِ علم	علم حاصل کرنا	ابر	بادل
استقامت	ثابت قدمی	ندا	آواز
حرارت	گرمی		

خطرناک ایجاد

بانیہ عبدالشکور

"اب میرے نام کا چرچا پوری دنیا میں ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا، ہاہاہا۔۔۔!!"
ڈاکٹر سیرن ہارڈِن نے پرجوش انداز میں کہا۔

"آپ تو پہلے ہی مشہور ہیں ڈاکٹر ہارڈِن!"

"ہاں! مگر اب بچہ بچہ میرا نام جان جائے گا۔"

اس کا مطلب ہے کہ جس پروجیکٹ پر آپ کام کر رہے تھے، وہ مکمل ہو گیا ہے؟"

"ہاں ڈاکٹر ویبنر! اور یہ ایک دھماکا ہو گا سائنس کی دنیا میں، ڈاکٹر سیرن ہارڈِن سے اپنی خوشی قابو نہیں ہو پا رہی تھی۔"

ڈاکٹر ویبنر نے پریشانی بھرے لہجے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا: "کیا آپ کو نہیں لگتا کہ یہ اخلاقی طور پر درست نہیں اور لوگوں کے لیے بھی نقصان دہ ہو سکتا ہے؟"

"نہیں! مجھے نہیں لگتا۔" کچھ جھلائے ہوئے انداز میں جواب آیا۔

یہ فائدہ مند ہو گا خاص کر پولیس کے لیے۔

"کیا یہ، یہ بھی بتا سکتا کہ انسان جو سوچ رہا ہے وہ پختہ ہے اور وہ اس پر عمل بھی کرے گا؟"

"مجھے الجھاؤ مت ڈاکٹر ویبنر!" اب ڈاکٹر سیرن ہارڈِن کو غصہ آنے لگا تھا۔ آخر وہ کیسے اپنی محبوب ایجاد کے خلاف سُن سکتے تھے جو آج اتنے سالوں کی محنت کے بعد مکمل ہوئی تھی۔

"تم جانتے ہو، یہ لوگوں کی موجودہ سوچ پڑھ سکتا ہے۔"

"اب آگے کوئی کیا کرے گا، یہ کیسے کوئی بتا سکتا ہے؟" ڈاکٹر سیرن ہارڈِن نے اپنے آپ پر ضبط کرتے ہوئے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا: کیا انسان جو سوچ رہا ہے، ضروری ہے وہ سچ ہی ہو گا یا وہ محض ایک سوچ ہے؟"

"ڈاکٹر ویبنر! جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ یہ کوئی نہیں بتا سکتا ہے کہ انسان اپنی سوچ پر عمل کرے گا یا نہیں، مگر عمومی طور پر انسان جو سوچ رہا ہوتا ہے، وہ وہی کرنا چاہتا ہے۔"

"جاننے اور کرنے میں فرق ہے ڈاکٹر ہارڈِن!" ڈاکٹر ویبنر نے ایک مرتبہ پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

"ہوگا فرق! یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔" ڈاکٹر سیرن ہارڈِن مضبوطی سے اپنی بات پر قائم رہے۔

"آپ کو نہیں لگتا لوگوں کو نقصان ہو گا؟"

"ہونے دو نقصان! مجھے اپنے پیسے سے غرض ہے، جو اس ایجاد کے بعد مجھ پر بارش کی طرح برسے گا۔ جانتے ہو ڈاکٹر ویبنر بڑی بڑی کمپنیاں، ایجنسیاں میری اس ایجاد کی منہ مانگی قیمت دینے کو تیار بیٹھی ہیں۔ صرف یہی نہیں میں اس ایجاد کو گھر گھر پہنچاؤں گا، دیکھنا لوگ ہاتھوں ہاتھ اسے لیں گے، آخر یہ جو سب کے کام کی چیز! ہاہاہا۔۔۔"

ڈاکٹر سیرن ہارڈِن کے سر پر تو جیسے جنون سوار تھا، جو انھیں صحیح غلط کچھ سمجھنے نہیں دے رہا تھا۔

"سوچ لیں ڈاکٹر ہارڈِن! انسان غصے میں کئی مرتبہ غلط سوچ لیتا ہے، پر ضروری نہیں اس پر عمل بھی کرے، لیکن اس ڈیوائس سے لوگ یہی سمجھیں گے کہ سامنے والا درست سوچ رہا ہے اور نہ ہی ہر خیال دوسرے کے لیے جاننا ضروری ہوتا ہے۔ اس سے کئی زندگیاں برباد ہو جائیں گی، کئی گھر اُجڑ جائیں گے، کئی لوگ ناجائز پھنس جائیں گے اور معاشرہ افراتفری کا شکار ہو جائے گا۔ ڈاکٹر ویبنر اپنے ساتھی اور معاشرے کو اس تباہی سے بچانے کے لیے ڈاکٹر سیرن ہارڈِن کو سمجھانا چاہتے تھے، لیکن ان کی کسی بات کا ڈاکٹر سیرن ہارڈِن پر ذرا برابر بھی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

"میں نے سوچ لیا ہے ڈاکٹر ویبنر! اور یہی میرا آخری فیصلہ ہے۔" وقت گزرتا گیا اور سوچ پڑھنے والی ڈیوائس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا گیا، اس کے ساتھ قتل، دیگر جرائم اور طلاق کے کیسز میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔

◆◆◆

مشہور و معروف سائنس دان ڈاکٹر سیرن ہارڈِن کو ان کے بہت ہی قریبی دوست اور بزنس پارٹنر نے قتل کر دیا۔ مجرم کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر ہارڈِن کی ایجاد کردہ ڈیوائس سے اس نے ڈاکٹر ہارڈِن کے خیالات پڑھے تھے کہ وہ اسے بزنس سے الگ کرنا چاہتے ہیں، اس لیے ڈاکٹر ہارڈِن کو اس نے قتل کر دیا۔

"آہ ڈاکٹر ہارڈِن! میں نے آپ کو خبردار کیا تھا۔ آپ کی وجہ سے کتنی زندگیاں برباد ہوئیں اور آخر آپ بھی اس کا شکار ہو گئے۔ ہر ایجاد اپنے ساتھ تباہی بھی لاتی ہے اور ہر چیز ایجاد کرنے کے لیے بھی نہیں ہوتی۔ کچھ قدرت کے کام ہوتے ہیں اور قدرت تک ہی انھیں محدود رکھنا چاہیے۔ قدرت کے کاموں سے چھیڑ چھاڑ صرف بربادی لاتی ہے۔ کاش! کاش! آپ یہ سمجھتے۔" ڈاکٹر ویبنر نے ڈاکٹر ہارڈِن کی موت کی خبر پڑھ کر تاسّف بھرے لہجے میں کہا اور اخبار ایک طرف رکھ کر سوچوں میں کھو گئے۔

جوانِ رعنا

بنتِ تاجور

آپ بہت ہی بہادر صحابی ہیں۔آپ رضی للہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کا نام حسنہ اور والد کا نام عبداللہ بن مطاع تھا۔ عبداللہ بن مطاع کے بعد آپ رضی للہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حسنہ نے ایک انصاری سفیان بن معمر سے نکاح کر لیا، جن سے دو بچے بھی پیدا ہوئے، جن کا نام جنادہ اور جابر تھا۔ آپ رضی للہ تعالیٰ عنہ اپنے دونوں بھائیوں کے ساتھ مسلمان ہوگئے تھے اور ہجرت کر کے حبشہ بھی گئے تھے اور جب حبشہ سے مدینہ آئے تو بنی زریق میں رہنے لگے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کے دونوں بھائیوں کا انتقال ہو گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی زہرہ کے قبیلے میں رہنے لگے اور فاروقی دورِ حکومت میں کئی ایک جہادوں میں امیرِ لشکر کی حیثیت سے افواج اسلامیہ کے کسی ایک دستے کی کمان کرتے رہے۔آپ رضی اللہ عنہ جہادِ یمامہ میں انتہائی شوق، ولولے اور قابلِ رشک جذبے کے ساتھ شریک ہونے والے جوان رعنا تھے۔پیارے نبی ﷺ کی تربیت سے کندن بننے والے ایک عظیم سپاہی جنھوں نے حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں میدانِ جہاد میں حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیے۔آپ رضی للہ تعالیٰ عنہ "اردن" کے دروازے پر فاتحانہ دستک دینے والے ایک عظیم جرنیل اور وحی لکھنے کا اعزاز حاصل کرنے والے ایک قابلِ اعتماد صحابی ﷺ تھے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعوت وارشاد کے میدان میں اثر انگیز اسلوب اپنانے والے خوش اخلاق وخوش اطوار مبلّغ اور اردن میں عدل وانصاف کی بنیاد پر فرائضِ منصبی ادا کرنے والے ایک ہر دل عزیز گورنر بھی تھے، جنھیں پوری زندگی ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا اعتماد حاصل رہا اور جنھوں نے ہر محاذ پر جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی خداداصلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اسلام کی سربلندی کے لیے ہر دور میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاریخِ اسلام میں "شرحبیل بن عبداللہ بن المطاع" کے نام سے مشہور ومعروف ہیں۔

ہجرت سے لے کر پیارے نبی ﷺ کی وفات تک کوئی واقعہ قابلِ ذکر نہیں ہے، کیوں کہ بڑا زمانہ حبشہ کے قیام میں صرف ہو چکا تھا۔آپ رضی للہ تعالیٰ عنہ کے کارناموں کا آغاز صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت سے ہوتا ہے۔

جب آپ رضی للہ تعالیٰ عنہ شام کی فوج کشی میں صوبہ اردن پر مامور تھے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافتِ راشدہ کے ایک اہم کمانڈر تھے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دور میں اپنی خدمات سرانجام دیں۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساتویں صدی عیسوی میں موجودہ ملک شام کی فتح میں چار سو افراد پر مشتمل فوج سے اہم کردار ادا کیا، چناں چہ اس سلسلے کے سب سے پہلے معرکے بصریٰ میں افسر تھے، جنگ شروع ہونے سے قبل ان میں اور بصریٰ کے حاکم رومانس میں مذاکرات بھی ہوئے، لیکن اس گفت گو کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج ترتیب دے کے آگے بڑھ رہے تھے کہ حضرت خالدؓ بن ولید پہنچ گئے،ان کے آنے کے بعد حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سپہ سالارِ اعظم ہوئے اور آپ رضی للہ تعالیٰ عنہ ہی کی سالاری میں اہلِ بصریٰ نے جزیہ قبول کیا۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کی تمام اہم جنگوں خاص طور پر غزوہ تبوک، مرتدین کے خلاف جہاد، جنگِ عراق، جنگِ یرموک اور جنگِ دمشق میں شریک ہوئے۔

اسلامی لشکر شہر اسکندریہ پر حملہ آور تھا۔ کفار کی فوج ایک بہت ہی مضبوط اور ناقابلِ تسخیر قلعہ میں محفوظ تھی اور لشکرِ اسلام قلعے کے سامنے کھلے میدان میں خیمہ زن تھا۔بہت دنوں تک جنگ ہوتی رہی، مگر کفار قلعہ کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوئے تھے۔ایک دن امیرِ لشکر حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کافروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ "اے لشکرِ کفار کے سپہ سالارو سن لو! ہماری فوج اسلام میں اس وقت ایسے ایسے اللہ والے موجود ہیں کہ اگر وہ اس قلعہ کی دیواروں کو حکم دے دیں کہ تم فوراً ہی زمین میں دھنس جاؤ تو فوراً ہی یہ قلعہ زمین میں دھنس جائے گا۔" یہ کہتے ہوئے جوش میں آکر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا ہاتھ قلعہ کی جانب بڑھایا اور بلند آواز سے نعرۂ تکبیر لگایا تو پورا قلعہ ایک دم زن سے زمین کے اندر دھنس گیا اور کفار کا لشکر جو قلعہ کے اندر تھا، آن کی آن میں کھلے میدان میں کھڑا رہ گیا۔یہ پُر ہیبت منظر دیکھ کر بادشاہ اسکندریہ کا دل ودماغ زیر وزبر ہو گیا اور وہ مارے ڈر کے شہر چھوڑ کر اپنی فوجوں کے ساتھ بھاگ نکلا اور یوں پورا شہر مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔ (تاریخ واقدی وسیرۃ الصالحین، ص22)

سبحان اللہ! نبی جی ﷺ کے جاں باز سپر ہیروز کی روحانی طاقتوں کا کیا کہنا۔

18ھ میں بھی اسلامی فوجیں شام میں جنگ کے لیے تیار تھیں کہ عراق، مصر اور شام کے دیہات عمواس میں بہت ہی خطرناک اور مہلک وبا طاعون پھوٹ پڑی۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا کہ فوجیں وبائی مقامات سے ہٹا کر محفوظ علاقوں میں بھیج دی جائیں۔

لیکن حضرت شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: "میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ طاعون اللہ کی رحمت اور انبیا علیہم السلام کی دعا ہے، اس سے قبل صالحین نے اسی میں وفات پائی ہے، اس لیے ہر گز نہ ہٹنا چاہیے۔" چناں چہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی طرح اپنے موقف سے نہ ہٹے۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں ایک ہی دن طاعون میں مبتلا ہوئے۔ (اسد الغابہ، ج2، ص391)

اس وبا میں بہت سے اکابرِ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے، جن میں حضرت ابو عبیدہ بن جرّاح، حضرت معاذ بن جبل کے علاوہ حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔

بھولی چڑیا

قرۃ العین خرم ہاشمی

چڑیا نے غور سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر تیزی سے اُڑ کر ٹیرس پر رکھے مٹی کے برتن کے اوپر منڈلانے لگی، جس میں پانی اور دانہ رکھا ہوا تھا۔ اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد وہ نیچے اتری اور مخصوص آواز میں اپنے تینوں بچوں کو پکارا، جو دیوار کے پیچھے چھپ کر ماں کو دیکھ رہے تھے۔ چڑیا کی سختی سے ہدایت تھی کہ جب تک وہ اشارہ نہ کرے کوئی بچہ باہر نہ نکلے۔ صبح سے بھوکے بچے دانہ اور پانی دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑے۔ جلد ہی وہ تینوں تو سیر ہو گئے، مگر چڑیا کی چھوٹی اور نک چڑھی بیٹی می می مسلسل دانہ چگنے میں مگن تھی۔ بی چڑیا نے ایک دو بار پکارا، مگر وہ متوجہ نہیں ہوئی۔

اچانک ٹیرس کا دروازہ کھلا اور ایک سات سال کا بچہ تیزی سے بھاگتا ہوا ان کی طرف آیا۔ بی چڑیا کے ساتھ اس کے دو بچے جلدی سے اُڑ کر تار پر جا بیٹھے اور اسے پکارنے لگے۔ می می کو جب تک اندازہ ہوا بچہ اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ ڈر کر یہاں سے وہاں بھاگتے ہوئے اڑنے کی کوشش کرنے لگی۔ بچہ صحت منداور موٹا تھا، وہ کچھ دیر میں ہی تھک گیا۔ می می جلدی سے اُڑ کر بی چڑیا کے پاس گئی جو اسے ڈانٹنے لگی۔

”کتنی بار کہا ہے کہ دانہ چگتے ہوئے آس پاس کا خیال رکھا کرو۔“ بی چڑیا نے غصے سے کہا۔

”می می ہمیشہ ندیدے پن کا شکار رہتی ہے، اس کا پیٹ بھر بھی جائے، مگر نیت نہیں بھرتی۔“ می می کی بڑی بہن چی چی نے منہ بنا کر کہا۔

دراصل می می کو زیادہ سے زیادہ دانہ چگنے کا لالچ تھا، اس لیے وہ اکثر لاپروائی کا مظاہرہ کر جاتی۔ زیادہ کھانے کی وجہ سے اس کا وزن بھی تیزی سے بڑھ رہا تھا، اس لیے وہ تیزی سے اُڑنے میں ناکام رہتی اور جلدی تھک جاتی تھی۔ کئی بار بی چڑیا نے اسے سمجھایا، مگر وہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی۔ ابھی وہ سب باتیں کر رہے تھے، جب ان کی نظر سنسان گلی میں بھاگتے گول مٹول لڑکے پر پڑی۔ لڑکا بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے اس سے بھاگا نہیں جا رہا تھا۔ اچانک تین نقاب پوش لوگ آئے اور اس لڑکے کو پکڑ کر لے گئے۔ اس نے شور مچانے کی کوشش کی، مگر انھوں نے سختی سے منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش کر دیا۔

”اللہ بچائے! آج کل بچے بہت اغوا ہو رہے ہیں۔“ بی چڑیا نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور اپنے تینوں بچوں کے ساتھ وہاں سے پرواز کر گئی۔

”اگر وہ لڑکا پھرتیلا ہوتا تو ان لوگوں سے بچ سکتا تھا، نا!“ گھر آ کر چی چی نے اُداسی سے کہا۔

”جیسے میں ہوں، تیز رفتار اور چالاک!“ ان کے بھائی فی فی نے جلدی سے کہا۔

”بالکل! جب بھی باہر جاؤ ہمیشہ بہت احتیاط اور سمجھ داری سے کام لو، اپنے ارد گرد پر نظر رکھو اور کبھی بھی دانہ یا پانی دیکھ کر فوراً مت اترو۔“ بی چڑیا نے نرمی سے سمجھایا۔

”خاص کر می می تم کم کھایا کرو، اپنی ضرورت سے زیادہ کھانا ہمیشہ نقصان کا باعث بنتا ہے۔“ وہ نرمی سے سمجھانے لگی، مگر می می نے توجہ نہیں دی۔ ایک دن بی چڑیا کی طبیعت خراب تھی، اس لیے وہ تینوں قریبی جگہ دانہ چگنے گئے۔ بی چڑیا نے انھیں ہمیشہ کی طرح مختلف ہدایات دے کر روانہ کیا۔ وہ تینوں ایک جگہ دانہ اور پانی دیکھ کر احتیاط سے اترے۔

”جلدی سے دانہ چگ لو، امی کے لیے بھی لے کر جانا ہے۔“ چی چی نے سمجھ داری سے کہا۔

حسبِ معمول وہ دونوں جلدی دانہ چگ کر ایک طرف ہو گئے، مگر می می کا پیٹ بھرنے کے باوجود دل نہیں بھرا تھا۔ چی چی اور فی فی نے کئی بار آواز دی، مگر اس نے اَن سنی کر دی۔ اچانک ایک آدمی دبے پاؤں اس کی طرف بڑھا اور اس پر جھپٹا مارا، ان دونوں نے شور مچایا۔ می می نے گھبرا کر اُڑنا چاہا، مگر زیادہ کھانے اور موٹاپے کی وجہ سے وہ تیزی سے نہیں اُڑ سکی اور اس کا ایک بازو آدمی کے ہاتھ میں آ گیا۔ چی چی اور فی فی تار پر بیٹھ کر بچاؤ بچاؤ کا شور مچانے لگے، جبکہ آدمی نے می می کو پروں سے پکڑ کر لٹکایا ہوا تھا۔ می می پھڑپھڑا رہی تھی، مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ اسے اپنی ماں اور باپ کی یاد شدّت سے آئی اور اپنی غلطی کا احساس بھی ہوا۔

”اللہ میاں! آج بچا لیں، آیندہ ماں کی ہر بات مانوں گی۔“ اس نے دل سے پکارا۔ اسی وقت اچانک ایک تیز رفتار پرندہ پوری قوّت سے آدمی کے چہرے سے ٹکرایا، جس کی وجہ سے وہ گھبرا گیا۔ اس نے بے خیالی میں دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپانا چاہا تو می می نیچے گرنے لگی، مگر وہ ہی پرندہ تیزی سے پاس آ کر اسے سہارا دے کر آسمان کی طرف لے جانے لگا۔ آدمی نے دیکھا تو غصے سے چلّانے لگا، مگر وہ دونوں اس کی پہنچ سے دور چلے گئے تھے۔ می می نے جب حواس بحال ہوتے ہی اپنے مسیحا کی طرف دیکھا تو خوشی سے چیخ پڑی۔

”بابا!“ اس کے باپ نے سر ہلایا۔

”شکر ہے، کام سے واپسی پر میں یہاں سے گزر رہا تھا، جب تمہیں مصیبت میں پھنسے ہوئے دیکھا۔“ انھوں نے سنجیدگی سے کہا۔ چی چی اور فی فی بھی باپ کو دیکھ کر پاس آ گئے۔ وہ چاروں گھر پہنچے تو بی چڑیا فکر مند بیٹھی تھی، جب اسے ساری بات کا پتا چلا تو اس نے دل تھام لیا۔

”کتنی بار سمجھایا ہے کہ زیادہ کی لالچ مت کیا کرو۔ کیا تم اس بچے کو بھول گئی جو موٹا ہونے کی وجہ سے بھاگ کر خود کو نہیں بچا سکا؟“ بی چڑیا نے یاد کروایا تو می می نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

”آیندہ میں لالچ بھی نہیں کروں گی اور اپنی بھوک سے زیادہ بھی نہیں کھاؤں گی۔“ اس نے عہد کیا تو سب نے تالیاں بجا کر اس کی ہمت بندھائی۔ می می کو ملنے والا یہ سبق ساری زندگی کے لیے کافی تھا۔

ابراہیم کی توبہ

ام محمد مصطفیٰ

"ابراہیم کہاں ہو؟ میری بات سنو!"

عینی خالہ ابراہیم کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئی تھیں، لیکن ابراہیم تو اپنے نام کا ایک ہی تھا۔ نانی کے گھر آکر اس کی شرارتیں عروج پر پہنچ جاتی تھیں، یعنی خالہ اس کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلکان ہو رہی تھی، مگر ابراہیم بھی ایسا چھپا تھا کہ ملنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

"اچھا بھئی! میں ہار گئی تم جیت گئے، اب باہر آجاؤ"

عینی خالہ نے اپنی ہار تسلیم کرتے ہوئے ابراہیم کو باہر نکالنے کی کوشش کی۔

"ہوہا، ہوہا۔" ابراہیم چھپاکے سے پردے کے پیچھے سے ہنستا ہوا ظاہر ہوا۔

عینی جو اپنے خیال میں کھڑی تھی یک دم دہل گئی۔

"ابراہیم! تم نے تو ناک میں دم کر دیا ہے۔" عینی ناراضی سے بولی۔

"عینی خالہ ڈرپوک، عینی خالہ ڈرپوک!" ابراہیم نے ہنستے ہوئے نعرے لگایا۔

ابراہیم ایک بارہ سالہ شرارتی بچہ تھا۔ گھر پر ہوتا تو امی اور دادی کو تنگ کرتا رہتا، نانی کے گھر آتا تو عینی خالہ کو ڈراتا رہتا۔

ننھیال اور ددھیال میں کوئی اور بچہ نہیں تھا، اس لیے سب کی آنکھوں کا تارا تھا۔ ویسے تو چھوٹی چھوٹی شرارتوں کو گھر والے نظرانداز کر دیتے تھے، لیکن اب چند ماہ سے ابراہیم سب کو ڈرانے لگا تھا۔ کبھی چھپ جاتا، کبھی کوئی نقلی جانور وغیرہ خرید لاتا اور کبھی کوئی ڈراؤنی آواز بنا کر شرارت کرتا، یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا اگر وہ حادثہ نہ ہوتا تو۔۔۔

"ابراہیم بات سنو! نفیس ماموں (دادی جان کے بھائی) کئی سالوں بعد سعودیہ سے پاکستان آرہے ہیں، ان کے سامنے کوئی شرارت نہیں کرنی، خاص کر یہ ڈرانے والی جو حرکتیں آج کل شروع کی ہوئی ہیں، ان کو بالکل ختم کرو۔" ابو جان پیار اور سختی کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ ابراہیم کو سمجھا رہے تھے۔

ابراہیم بھی فرماں بردار بچوں کی طرح ابو جان کی ہر بات کو سر جھکا کر تسلیم کر رہا تھا۔

نفیس ماموں اپنے نام کی طرح نفاست پسند تھے۔ ایک دو دن تو ابراہیم صاحب بھی بہت اچھے بنے، ماموں جان سے ملتے رہے، لیکن پھر ان کی شرارت کی رگ پھڑک اٹھی۔ ابراہیم نے پہلے تو اپنی مرغیوں کو چھیڑنا شروع کیا، اس وقت ماموں جان صحن میں بیٹھے چائے نوش فرما رہے تھے، لیکن ابراہیم میاں مرغی اور اس کے چوزے کے پیچھے بھاگ بھاگ کر انھیں مختلف آوازیں نکال کر ڈرانے میں ایسے مشغول تھے کہ انھیں کسی چیز کی پروا نہ تھی۔

نفیس ماموں خاموشی سے یہ ساری کاروائی بغور دیکھ رہے تھے۔

اسی رات عشاء کے بعد ابراہیم اپنے کمرے سے باہر آرہا تھا، ایک چھوٹا سا بلی کا بچہ برآمدے کی دیوار پھلانگ کر اندر آکودا۔

ابراہیم فوراً سے پیشتر بھاگا اور اس بلونگڑے کو پکڑ لیا۔

ابراہیم نے صحن میں رکھے ایک خالی گتے کے ڈبے میں اسے قید کیا اور پھر اپنے خیال میں ایک نئی مزے دار شرارت کی تیاری کرنے لگا۔

"دادی جان یہ دیکھیے؟" ابراہیم کے ہاتھ میں ایک ربن لگے تحفے نما گتے کے ڈبے کو دیکھ کر دادی جان پُرتجسّس ہوئیں۔

نفیس ماموں بھی اس وقت دادی کے ساتھ ہی بیٹھے تھے۔

دادی جان نے ابراہیم سے ڈبا لے کر جیسے ہی اس پر سے ربن کھولی، پریشان بلی کا بچہ اچھل کر باہر کودا۔ دادی جان کی تو ایک لمحے کے لیے جان ہی نکل گئی، چیخ کے ساتھ ان پر نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو گئی۔

"ابراہیم میاں!" ماموں جان انتہائی غصے کے ساتھ ابراہیم کو پکارتے ہوئے کھڑے ہوئے۔

ابراہیم بھی ایسی صورتِ حال کے لیے تیار نہ تھا، وہ سمجھ رہا تھا کہ سب ہنسیں گے اور خوش ہوں گے، لیکن یہاں تو معاملہ ہی اُلٹ چکا تھا۔

سب گھر والے ایک کمرے میں جمع تھے۔ دادی جان کی طبیعت اب قدرے بہتر تھی۔ سب گھر والے ابراہیم سے خفا تھے۔ ابراہیم کے چہرے پر بھی ندامت صاف ظاہر تھی۔ اسی موقع کو غنیمت جان کر ماموں جان گویا ہوئے۔

حدیث پاک کا مفہوم ہے "کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کو ڈرائے۔"

ہمارے پیارے نبی ﷺ نے ہمیں زندگی کے ہر ہر پہلو کے متعلّق رہنمائی دی ہے۔

جناب عبدالرحمٰن بن ابو لیلیٰ روایت کرتے ہیں کہ محمد ﷺ کے صحابہ نے ہمیں بیان کیا کہ وہ لوگ نبی ﷺ کے ساتھ سفر میں جارہے تھے تو ان میں سے ایک آدمی سو گیا اور دوسرا اس سے ایک رسی لینے لگا جو اس کے پاس تھی تو وہ سویا ہوا ڈر گیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: "کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ دوسرے مسلمان کو ڈرائے۔" (سنن ابوداؤد، آداب و اخلاق کا بیان)

ماموں جان یہ حدیث پاک سنا کر خاموش ہوئے ہی تھے کہ ابراہیم کی ہچکیاں سنائی دیں۔

"دادی جان! مجھے معاف کر دیجیے۔" ابراہیم دادی کی گود میں سر رکھ کر ندامت سے بولا۔

دادی جان اپنے پیارے پوتے سے کیسے خفا ہو سکتی تھیں؟

اسے سینے سے لگا کر پیار کیا۔ ابراہیم نے امی ابو اور ماموں جان سے وعدہ کیا کہ آیندہ کے لیے وہ اس بری عادت سے توبہ کرتا ہے، ساتھ ہی اس نے کانوں کو پکڑ کر توبہ کی، جس پر سب مسکرا اٹھے۔

خوف ناک انعام

اُمّ محمد عبداللہ

"یہ مجھے کیسا انعام ملا ہے؟" مارے خوف کے اشعر کی تو چیخ ہی نکل گئی۔"اچھی کارکردگی پر اتنا خوف ناک انعام؟" وہ ابھی بھی ایک طرف کھڑا کانپ رہا تھا، جبکہ سامنے رکھا عجیب و غریب خوف ناک انعام اب اس کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

خوب صورت لفافے میں رکھے انار آگ کے انگارے بنے ہوئے تھے، جبکہ مہنگی اور امپورٹڈ چاکلیٹس دو مونہہ والے سانپ بن کر اس کی جانب رینگ رہی تھیں اور تو اور چھوٹی چھوٹی خوش رنگ ٹافیاں چھوٹے چھوٹے بچھو بن چکی تھیں۔

"نہیں نہیں، مجھے نہیں چاہیے انعام۔۔۔" وہ اب ڈر کر چیخنے لگا تھا کہ اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔

قریب ہی بستر پر اس کے ابا جان سو رہے تھے۔

اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا، شکر ہے کہ اس کے آس پاس کوئی خوف ناک انعام نہیں تھا۔

کمرے میں ایک جانب جائے نماز پر بیٹھی اس کی امی جان دعا مانگ رہی تھیں، وہ اُٹھ کر ان کے پاس چلا آیا۔

"امی جان! میں نے بہت ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔" وہ ابھی تک ڈرا ہوا تھا۔

"اچھا تو پھر تعوّذ پڑھ لو اور کسی کو یہ خواب مت سناؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائیں۔
جاؤ جا کر سو جاؤ، ابھی فجر کی اذان ہونے میں کافی وقت ہے۔"

امی جان نے اشعر پر آیت الکرسی پڑھ کر دم کیا۔

کچھ دن تو اشعر بالکل اس خواب کو بھول نہیں پایا۔ اسے اکثر خواب کا خیال آتا اور وہ ڈر جاتا۔ دو ہفتے بعد اشعر کے اسکول میں امتحانات شروع ہو گئے تو اس نے اپنی تمام تر توجہ پڑھائی پر مرکوز کر دی اور رفتہ رفتہ خواب کا خیال اس کے ذہن سے محو ہونے لگا۔

"امی جان، ابو جی! یہ دیکھیں میں جماعت میں اوّل آیا ہوں۔" اشعر ہاتھ میں ٹرافی تھامے خوشی خوشی گھر میں آتے ہی اپنے اوّل آنے کا اعلان کرنے لگا، لیکن گھر میں بالکل خاموشی تھی، امی جان گھر پر نہیں تھیں۔ "امی جی شاید ساتھ والی خالہ کے گھر گئی ہوں گی۔ ابا جان تو اپنے اسٹور پر ہوں گے، انہی کو اپنی ٹرافی جا کر دکھاتا ہوں۔" وہ ٹرافی ہاتھ میں پکڑے گلی میں کھلنے والے کمرے کی جانب مڑا، جسے وہ سب اسٹور کہتے تھے۔ اس کمرے میں اس کے ابا جان نے روزمرہ استعمال کا سامان لا کر رکھا ہوا تھا اور گلی محلے کے لوگ اپنی چھوٹی موٹی ضرورت کی چیزیں یہیں سے خریدتے تھے۔

اشعر اسٹور میں داخل ہوا تو اسے حیرت ہوئی اسٹور کا بیرونی دروازہ بند تھا اور اس کے ابا جان اسٹور میں اکیلے تھے، لیکن وہ کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ ذرا آگے بڑھا تو ان کے الفاظ اسے صاف سنائی دینے لگے۔

"اس ڈیجٹل ترازو کا یہ بٹن ذرا سا ہلا دیا جائے تو یہ کم وزن کو بھی زیادہ دکھائے گا، یوں میں ساڑھے آٹھ سو گرام چینی ہزار گرام دکھا کر بیچ سکوں گا، کافی بچت ہو گی۔" اشعر کو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"ابو جی! آپ کیا کر رہے ہیں؟" اپنی خوشی بھول کر وہ عجیب الجھن کا شکار ہو گیا۔

"آہا اشعر بیٹے! تم اوّل آئے ہو، مجھے پتا ہے، تمہارے استاد کا ابھی ابھی فون آیا تھا، یہ دیکھو! میں نے تمہارے لیے انعام بھی لے رکھا ہے۔"

ابا جان اس کی الجھن سے بے خبر پُرجوش انداز میں اس کی جانب بڑھے، ان کے ہاتھ میں ایک لفافہ بھی تھا، جس میں اشعر کا پسندیدہ پھل انار اور مزے مزے کی چاکلیٹس اور ٹافیاں بھی تھیں۔

یک دم اشعر کو اپنا خواب یاد آ گیا، یہ ہی انار، چاکلیٹس اور ٹافیاں تو خواب میں بہت خوف ناک چیزیں بن گئی تھیں اور وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

آج ہی تو نقل کر کے پاس ہونے والے دانیال کو استاد صاحب نے یہ حدیث سمجھائی تھی

مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا

"جو ہمیں دھوکا دیتا ہے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔"

استاد صاحب بتا رہے تھے، شاید دوسروں کو دھوکا دے کر ہمیں تھوڑا سا وقتی اور دنیاوی فائدہ مل جائے، لیکن اس کا انجام ہمیشہ کے لیے دوسروں سے بُرے تعلقات اور بداعتمادی کی صورت میں نکلتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ نے بھی دھوکا دینے والے سے ناراضی کا اظہار فرمایا ہے۔

اشعر کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے پیارے ابا جان کو کیا کہے، لیکن اس کے ہاتھ انعام لینے کی جانب بھی نہیں بڑھ رہے تھے۔

اس نے وہیں کونے میں بیٹھ کر رونا شروع کر دیا تھا۔

"کیا ہوا اشعر!" ابا جان بھی اس غیر متوقّع صورتِ حال سے گھبرا گئے تھے۔

ایسے میں امی جان اسٹور میں داخل ہوئیں تو وہ بھی یہ عجیب منظر دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

"اللہ خیر کرے کیا ہوا؟ اشعر تم کیوں رو رہے ہو؟" وہ تینوں اسٹور سے اُٹھ کر گھر کے اندر آ گئے۔

اشعر نے ڈرتے ڈرتے اپنا خواب، حدیثِ مبارکہ اور ابا جان کی خود کلامی سب امی جی کے سامنے بیان کر دیا۔

امی جان نے یہ سب سن کر گہرا سانس لیا۔ وہ تو ہر وقت اشعر کے ابا جان کو گاہکوں کو دھوکا دینے سے منع کرتی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ سے ان کی ہدایت کے لیے دعا بھی مانگتی تھیں، اسی لیے تو اب وہ سوالیہ نظروں سے ابا جان کی جانب دیکھنے لگیں، جیسے کہہ رہی ہوں:

"میں کب سے آپ کو گاہکوں کو دھوکا دینے سے منع کر رہی ہوں، کیا اب بھی آپ اس غلط کام کو نہیں چھوڑیں گے؟"

ابا جان سر جھکائے ہونٹ بھینچے بیٹھے تھے۔
تھوڑی دیر بعد جب انھوں نے سر اٹھایا تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ یہ سب کچھ زیادہ پیسا کمانے کے لیے کر رہے تھے اور زیادہ پیسا وہ اشعر ہی کے لیے کمانا چاہتے تھے کہ اسے اچھے اچھے انعامات دلا سکیں، لیکن اگر اسے ہی ایسے انعامات نہیں چاہییں تو انھیں کیا ضرورت تھی کہ دنیا و آخرت کی رسوائی بھی سمیٹیں اور اشعر بھی انھیں دھوکا دینے والا برا شخص سمجھے، کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ خاموشی سے چلتے ہوئے اسٹور میں گئے اور جب واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں وہی کم تولنے والا ترازو تھا۔
اشعر بیٹا! تم اس ترازو کو توڑ دو! ہم ان شاء اللہ مل کر نیا ترازو لائیں گے، جو درست وزن کرے گا۔
میں اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں، میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں، میں انعام میں تمہیں کبھی آگ کے انگارے نہیں دینا چاہتا ہوں گا۔
اس مرتبہ تمہارے اول آنے کی خوشی میں، میں یہ کوشش کروں گا کہ کسی کو دھوکا نہ دوں، ان شاء اللہ!
ابا جان نے خلوص سے کہا تو امی جی اور اشعر دونوں ہی خوش ہو گئے۔

گوگو کا پاؤں

سمیرا انور

"ماما! آج ہمیں چڑیا گھر لے جائیں، چھٹی کا بھرپور مزہ آجائے گا۔" گوگو بگلے نے ناشتا کرتے ہوئے اپنی ماما سے کہا۔
"جی بالکل چڑیا گھر میں موجود اپنے دوستوں کے کرتب دیکھ کر مجھے بھی بہت اچھا لگتا ہے۔" چھوٹے شوگو نے بھی خوشی سے کہا۔
"آرام سے ناشتا کرو، اس کے بعد کچھ سوچتے ہیں۔" ماما نے مسکراتے ہوئے کہا۔
کسی جھیل کے کنارے ماما بگلا اپنے دو بچوں گوگو اور شوگو کے ساتھ رہتی تھی۔ جھیل سے کچھ فاصلے پر ایک جنگل تھا، جس میں شیر بادشاہ نے بچوں کے لیے ایک چڑیا گھر بنایا ہوا تھا۔ اس میں جنگلی پرندوں اور جانوروں کے ساتھ ساتھ آبی پرندے اور جانور بھی شامل تھے۔ گوگو اور شوگو اپنی ماما کے ساتھ اکثر وہاں جاتے رہتے تھے۔ آج بھی کچھ دیر بعد وہ چڑیا گھر پہنچ گئے۔ گوگو حسبِ معمول چڑیا گھر میں موجود تالاب کی طرف بڑھ گیا، کیوں کہ وہ اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔ گوگو نے نیل ہنس کی طرف طنزیہ انداز میں دیکھا اور بولا: "ارے ہنس میاں! تم مجھے دیکھ کر غصے میں کیوں آجاتے ہو؟"
"تم بھی اپنا غرور گھر چھوڑ کر آیا کرو اور ہمیں اچھے طریقے سے بلایا کرو۔" نیل ہنس نے دوسری طرف جاتے ہوئے اسے جواب دیا۔
"سب ہمارے لیے کچھ نہ کچھ کھانے کے لیے لے کر آتے ہیں، مگر تم ہمیشہ خالی ہاتھ آتے ہو۔" بطخ نے گوگو بگلے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"میں کیوں تمہارے لیے کچھ لاؤں؟ یہ میری ذمے داری نہیں ہے۔" گوگو نے ہنستے ہوئے کہا۔
"تم جب آتے ہو، ہمیں گھورتے رہتے ہو اور کئی بار تم نے ہمیں پتھر بھی مارے ہیں۔" کونج نے اپنی گردن لمبی کرتے ہوئے غصے سے کہا۔
"تم سب قیدی ہو، مگر نخرے ایسے کرتے ہو جیسے آزاد ہو!" گوگو نے زور زور سے ہنستے ہوئے ان کا مذاق اڑایا۔ شوگو اور اس کی ماما دوسرے جانوروں کے پنجروں کے پاس کھڑے تھے، انھوں نے اشارے سے گوگو کو بلایا، لیکن وہ انکار میں سر ہلاتا ہوا وہیں کھڑا رہا۔
"ماما! یہ گوگو تالاب میں موجود پرندوں اور جانوروں کو بہت زیادہ تنگ کرتا ہے۔ مجھے بہت دکھ ہوتا ہے کہ میرا بھائی ان کا مذاق اڑاتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ گوگو اپنی اس عادت کی وجہ سے کسی مشکل میں پھنس جائے۔" شوگو نے پریشانی سے انھیں بتایا۔
"میں نے کئی بار اسے روکا ہے کہ انھیں تکلیف نہ پہنچایا کرو، مگر یہ باز نہیں آتا۔" ماما نے گوگو کی طرف دیکھا جس نے تالاب میں کنکریاں پھینکنا شروع کر دی تھیں۔
"واہ! یہ نشانہ اچھا لگا ہے۔" گوگو نے تالاب میں تیرتی ایک مرغابی کی طرف پتھر اچھالا تو پتھر مرغابی کے پاؤں پر جا لگا، جس کی وجہ سے مرغابی تکلیف سے چلانے لگی، کیوں کہ اس کے پاؤں سے خون رسنے لگا تھا۔
"گوگو! تم نے اچھا نہیں کیا، ہماری مرغابی کو زخمی کر دیا ہے۔" کونج نے چیختے ہوئے کہا۔
"تم اپنے کام سے کام رکھو، بڑی آئی سب کی ہمدرد!" گوگو نے الجھتے ہوئے کہا۔
"ارے، یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ میرا پاؤں کہاں پھنس گیا ہے؟" گوگو نے جیسے ہی نیچے دیکھا تو اس کی جان ہی نکل گئی، کیوں کہ اس کا پاؤں لوہے کے تار میں جکڑ گیا تھا۔ گوگو نے جھٹکا دیتے ہوئے اپنا پاؤں الگ کرنا چاہا، لیکن وہ تو تالاب کی طرف کھسکنا شروع ہو گیا تھا، یہ دیکھ کر گوگو چلانے لگا: "کون ہے؟ مجھے چھوڑو۔"
کسی نے اسے کھینچ کر تالاب میں پہنچا دیا۔ گوگو اپنے آپ کو تالاب میں دیکھ کر رونے لگا۔
"اب بتاؤ کہ پنجرہ کیسا لگا؟" نیل ہنس نے گوگو کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا ہے؟" گوگو نے غصے سے اسے دیکھا۔
"اب تم ہمارے ساتھ رہو گے، یہی تمہاری سزا ہے۔ تم ہمارا مذاق اڑاتے تھے اور ہمیں قیدی کہتے تھے، اب تم خود ہماری قید میں ہو۔" کونج کی آواز گونجی۔
گوگو کی ماما اور اس کا بھائی پنجرے کے سامنے کھڑے ہو کر ان سب سے التجا کرنے لگے کہ وہ گوگو پر رحم کریں اور اسے چھوڑ دیں۔ نیل ہنس نے فیصلہ مرغابی پر چھوڑ دیا، جسے اس نے زخمی کیا تھا۔ گوگو کی ماما نے مرغابی سے معافی مانگی۔ مرغابی نے ان کی معافی قبول کر لی اور نیل ہنس سے کہا کہ وہ اسے آزاد کر دے۔ نیل ہنس نے لوہے کے تار کا سرا گوگو کی ماما کی طرف پھینک دیا۔ اس کی ماما اور شوگو نے اسے تالاب سے باہر نکال لیا۔ گوگو نے شرمندگی میں اپنا سر جھکاتے ہوئے ان سب سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ اب کبھی انھیں تنگ نہیں کرے گا۔ دوستو! اب جب بھی گوگو بگلا جنگل کے چڑیا گھر جاتا ہے، وہ سب پرندوں اور جانوروں کے لیے نہ صرف ان کے کھانے کے لیے پسندیدہ چیزیں لے کر جاتا ہے، بل کہ ان سے خوب باتیں بھی کرتا ہے۔ گویا اب وہ ان سب کا دوست بن چکا ہے۔

مہوش اسد شیخ

آؤ بچو سنو کہانی

مسز اکمل پارک میں داخل ہوئیں اور جاگنگ ٹریک پر چلنا شروع کر دیا۔ چلتے ہوئے وہ باقاعدہ دائیں بائیں دیکھتے ہوئے پارک کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھیں۔ دو بچے سائیکل ریس لگا رہے تھے۔ ایک عورت بنچ پر بیٹھی موبائل فون کے ساتھ مصروف تھی اور ایک بچی گھاس پر بیٹھی اپنے کھلونوں سے کھیل رہی تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ بچی نے ماں کو کئی بار پکارا وہ چاہتی تھی، ماں اس کے ساتھ کھیلے، لیکن عورت نے اسے برے طریقے سے ڈپٹ دیا، ماں کو موبائل کے ساتھ وقت گزرنا زیادہ عزیز تھا۔ مسز اکمل عورت پر افسردہ نگاہ ڈال کر آگے بڑھ گئیں۔ آگے انھوں نے دیکھا کہ دو شرارتی بچے درخت پر چڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں، انھیں خدشہ ہوا کہ بچے چوٹ نہ لگوا بیٹھیں۔ کیسے والدین ہیں جو بچوں پر نگاہ نہیں رکھتے؟ انھیں یوں شتر بے مہار چھوڑ رکھا ہے۔ وہ یہی سوچ رہی تھیں کہ ان کی نظر درخت کے قریب رکھے بنچ پر پڑی، جہاں اک بزرگ بیٹھے اونگھ رہے تھے۔

وہ افسردگی سے مسکرا دیں۔ بڑھاپا کیا چیز ہے، وہ بہ خوبی سمجھتی تھیں، خود بھی بہت ہمت سے اس مرض کا مقابلہ کر رہی تھیں۔ چلتے چلتے جب سانس پھولنے لگی تو قریبی سنگل بنچ پر جا بیٹھیں۔ کچھ وقت سانسیں بحال ہونے میں بیت گیا، جب خود کو بہتر محسوس کیا تو ہاتھ میں تھامی ہوئی کتاب کھول لی۔ یہ بچوں کی کہانیوں کی کتاب تھی۔ اس عمر میں بھی ان کے اندر کا بچہ کیوں کر زندہ تھا، یہ راز اس کتاب میں پنہاں تھا۔ وہ آج بھی بچوں کی دل چسپ کہانیوں کی کتابیں بہت شوق سے پڑھتی تھیں۔ آج گھر میں دل گھبرا رہا تھا تو یہاں پارک میں چلی آئیں۔

فہرست میں سے سب سے دل چسپ عنوان کا انتخاب کیا اور مطلوبہ صفحہ کھول لیا۔ کسی خیال کے تحت انھوں نے باآواز بلند پڑھنا شروع کر دیا۔ ان کی آواز پر قریبی بنچ پر اونگھتے ہوئے بزرگ نے دھیرے سے آنکھیں کھول دیں اور متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ مسز اکمل محویت سے کہانی پڑھتی رہیں۔ بزرگ اب ان کی طرف دیکھتے ہوئے بہت شوق سے کہانی سننے لگے۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ درخت پر چڑھے شرارتی بچے بھی نیچے اتر کر مسز اکمل کے قریب چلے آئے۔ کہانی اتنی دل چسپ تھی کہ وہ سننے پر مجبور ہو گئے تھے یا کہانی سننا ان کے لیے انوکھا و دل چسپ تجربہ تھا۔

”کوہ قاف کیا ہوتا ہے؟“ ایک بچے نے ان کے برابر بیٹھتے ہوئے انھیں ٹوکا۔

”یہ ایک پہاڑی سلسلہ ہے، جو یورپ اور ایشیا کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ تفصیل کافی لمبی ہے، لیکن آپ بس یہ سمجھ لیجیے کہ یہ پہاڑی جنّات اور پریوں کا مسکن ہے۔“ مسز اکمل نے نرمی سے سمجھایا۔

”اچھا۔۔۔!“ بچے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

سائیکل چلاتے بچے بھی سائیکل ایک طرف کھڑی کر کے قریب چلے آئے۔

دوسری طرف گھاس پر بیٹھی کھلونوں کے ساتھ کھیلتی بچی بھی اپنا کھیل چھوڑ کر مسز اکمل کی طرف آ گئی۔ اسے ان کی آواز تو سنائی نہیں دے رہی تھی، لیکن اس ہجوم نے اس کے تجسّس کو ہوا دے ڈالی تھی۔

”کہاں جا رہی ہو مومنہ؟“ اس کی ماں نے اسے دوسری طرف جاتے دیکھا تو پکارتے ہوئے اس کے پیچھے لپکی۔

بچی مسز اکمل کے پاس پہنچ چکی تھی، عورت بھی وہیں آ گئی۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ مسز اکمل کہانی سنا رہی تھیں اور بچے، بڑے سبھی بہت اشتیاق سے سن رہے تھے۔ وقفے وقفے سے ہونے والے سوال جواب بچوں کی دل چسپی کا پتا دے رہے تھے۔

”جا کولا جن کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور اپنے کیے کی سزا مل چکی تھی، اس نے سب سے معافی مانگی اور واپس اپنی دنیا میں چلا گیا۔“

”کیسی لگی بچو! آپ کو شرارتی جا کولا جن کی کہانی؟“ کتاب بند کرتے ہوئے سب کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

”بہت زبردست تھی۔“ سب بچوں نے ایک ساتھ کہا۔

”دوسری کہانی بھی سنائیے۔“ ایک بچے نے فرمائش کی۔

”نہیں پیارے بچو! میں تھک چکی ہوں اور سورج میاں بھی غروب ہونے کی تیاری کر رہے ہیں۔ مغرب سے پہلے پہلے ہمیں گھروں کو چلے جانا چاہیے۔“ مسز اکمل نے رسانیت سے سمجھایا۔

”ممی! آپ مجھے کہانی کیوں نہیں سناتیں؟“ ننھی مومنہ نے ماں سے سوال کیا تو وہ شرمندگی سے نگاہیں چرانے لگیں۔

”اس موبائل نے جہاں ہمارے لیے بہت سی سہولیات مہیا کر رکھی ہیں، دور دراز بستے رشتوں سے جوڑ رکھا ہے، وہیں یہ ہمارے قریب رہنے والوں کو ہم سے دور کرتا چلا جا رہا ہے۔ اولاد کی اچھی تربیت کے لیے ان کے ساتھ وقت بتانا بہت ضروری ہے۔ اُمید ہے تم میری بات کو سمجھ رہی ہو گی۔“ مسز اکمل کی بات پر عورت کی آنکھوں کے گوشے نم ہو گئے۔

”میں وعدہ کرتی ہوں، روزانہ اپنی گڑیا کے ساتھ کھیلوں گی اور کہانی بھی سناؤں گی۔“ اس نے بیٹی کو گود میں بھر کر وعدہ کیا تو سبھی مسکرانے لگے۔

”دادا جی تو ہمیں کہانی نہیں سنا سکتے، ان کی بینائی بہت کم زور ہے۔“ شرارتی لڑکے نے بزرگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے افسردگی سے کہا۔

”آپ کس جماعت میں پڑھتے ہیں؟“ مسز اکمل نے پوچھا۔

”جماعت پنجم!“ لڑکے نے مختصر جواب دیا۔

”پھر تو آپ خود بھی پڑھ سکتے ہیں۔ آپ کو تو چاہیے کہ اپنے دادا جان کو کہانی سنایا کریں، یقیناً وہ بہت خوش ہوں گے۔“ دونوں لڑکے تفہیمی انداز میں سر ہلانے لگے۔

”میرے ذہن میں اک خیال آیا ہے، وہ یہ کہ میرے پاس ایسی کہانیوں کی بہت سی کتابیں ہیں۔ ہم روزانہ یہاں کہانی محفل لگایا کریں گے، لیکن ہر روز میں کہانی نہیں سناؤں گی، سب باری باری کہانی سنائیں گے۔ بچوں کے لیے مطالعہ بہت ضروری ہے، ایسا کرنے سے نہ صرف ہمارا تلفظ درست ہوتا ہے، بلکہ پڑھنے میں روانی بھی آتی ہے۔ بہت سے نئے الفاظ کا علم حاصل ہوتا ہے۔ کتاب اچھا انسان بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ بچوں کو فضول شرارتوں سے باز رکھتی ہے۔ پھر کیا خیال ہے؟“ مسز اکمل نے باری باری سب کی طرف دیکھا۔

”روزانہ ایک کہانی، ایک نصیحت ہو گی اور اس بزم کا نام ہو گا۔ ”آؤ بچو! سنو کہانی۔“ دادا جی کی بات پر سب نے خوشی کا نعرہ لگایا۔

بچوں کے فن پارے

حافظہ فاطمہ خلیل، ششم، لاہور

آمنہ آصف 11 سال ،لاہور

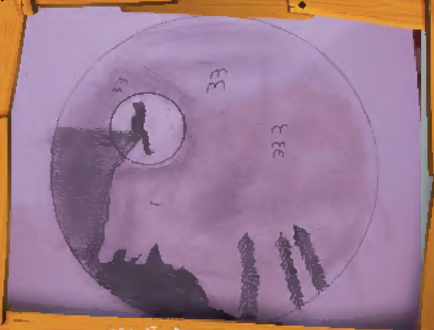

محمد بن شاہد 9سال ڈی آئی خان

میمونہ ناصر اوکاڑہ

حفصہ حبیب الرحمن ،6سال ،کراچی

خدیجہ بنت مفسر 12 سال اسلام آباد

صالحہ رئیس ،12 سال راولپنڈی

طوبیٰ اخلاق ، حیدر آباد

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپے انعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ کراچی سے **حسن بلال** کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

پیارے بچو!!!

یہ بتائیں کس کس کا دل چاہتا ہے کہ کام تھوڑا ہو اور انعام بہت زیادہ ملے، جی جی مجھے علم ہے آپ سب کا یہ ہی دل چاہتا ہے۔

تو ہم آج آپ لوگوں کو ایک ایسا ہی آسان اور مزے کا کام بتا رہے ہیں جو کرنا بہت آسان ہے اور اس پر انعام بہت بڑا ملتا ہے اور وہ کام ہے ''اللہ تعالیٰ کا ذکر'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مفرّدون سبقت لے گئے۔'' صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مفرّدون کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے''

یعنی جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہتا ہے اسے سب سے بڑھ کر اجر و ثواب اور انعام ملے گا۔

ذکر کرنا بہت آسان ہے آپ چلتے پھرتے، کھیلتے کودتے، کہیں بھی آتے جاتے حتیٰ کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی اگر آپ اللہ اکبر، سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، استغفر اللہ یا ان جیسا کوئی سا بھی آسان اور مختصر کلمہ پڑھتے رہیں تو یہ اللہ کا ذکر شمار ہوگا اور آپ کو اس کائنات کے حقیقی بادشاہ کی جانب سے بڑے بڑے انعامات بھی ملیں گے ان شاء اللہ

تو بتائیں کون کون تیار ہے مفردون بننے کے لیے۔۔۔

اپریل 2024ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر کراچی سے ماریہ جبران کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے!!!!

یہ سوالات اپریل 2024 کے شمارے سے لیے گئے۔ جوابات کی آخری تاریخ 15 مئی 2024ء ہے

ماہنامہ فہم دین مئی 2024ء کے سوالات

سوال 1: طلحہ کی دلی خواہش کیا تھی؟

سوال 2: حضرت قعقاع بن عمرو کا تعلق کس قبیلے سے تھا؟

سوال 3: فیضان میں کون سی بری عادت تھی؟

سوال 4: کاشان نے اپنی کس محرومی کو صبر اور محنت سے دور کیا؟

سوال 5: اذلان کی چھٹیاں کس وجہ سے یادگار بن گئیں؟

اپریل 2024ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: 19 سال

جواب 2: رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں لیکن کوئی مخصوص تاریخ نہیں ہے

جواب 3: .روزہ رکھنے کو کہتے ہیں

جواب 4: چشمہ جاری ہو گیا

جواب 5: فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ غم گساری کی وجہ سے

اس لیے دیر سے روز آتا ہوں میں

محمد ضیاء اللہ محسن

کوئی قصہ، کہانی، نہ ہے داستاں
یہ حقیقت، جو کرنے لگا ہوں بیاں
چند برسوں قبل کا ہے یہ واقعہ
ایک اسکول میں جب میں استاد تھا
ایک بچہ جو آتا تھا تاخیر سے
کھیلتا تھا وہ اپنی ہی تقدیر سے
گھر سے زیادہ نہیں دور اسکول تھا
پھر بھی اس کا یہی روز معمول تھا
ایک دن حاضری میں لگانے لگا
اور تازہ سبق میں پڑھانے لگا
تب اچانک سے آواز آئی مجھے
ایک چہرہ دیا پھر دکھائی مجھے
میں نے دیکھا، تو باہر کھڑا زین تھا
کچھ پشیمان تھا اور بے چین تھا
طیش آیا مجھے اس کو یوں دیکھ کر
منھ اُٹھا کے چلے آئے ہو تم اِدھر
آج پھر دیر سے آرہے ہو یہاں؟
کیا ہے تکلیف تم کو، بتاؤ میاں
کوئی گھر میں تجھے پوچھتا کیوں نہیں؟
اپنی عادت کو بدلو گے تم یوں نہیں
میں نے غصے میں آ کر جو ڈانٹا اُسے
زور سے جبڑ دیا ایک چانٹا اُسے
مار کھا کر مری اب وہ رونے لگا
آنسوؤں سے وہ دامن بھگونے لگا
پھر وہ دھیرے سے یوں منمنانے لگا
ہچکیوں میں لبوں کو ہلانے لگا
سچ ہے تاخیر سے روز آتا ہوں میں
سر! حقیقت ہے کیا، یہ بتاتا ہوں میں
میرے بابا جو لاچار و مجبور ہیں
دائیں بازو سے اپنے وہ معذور ہیں
کچھ مہینے قبل ان کو فالج ہوا
ایک حصّہ نہ ان کا، رہا کام کا
ماں تو پہلے ہی اللہ کے پاس تھی
کس قدر وہ ہمارے لیے خاص تھی
زندگی کے سبھی ڈھنگ سکھاتی تھی ماں
اپنے حصے کا ہم کو کھلاتی تھی ماں
چلچلاتی ہوئی دھوپ میں سائباں
ماں کی عظمت کو کیسے کروں میں بیاں

ایسی نعمت سے سر! اب تو محروم ہیں
بہن بھائی بھی چھوٹے ہیں معصوم ہیں
صبح اٹھ کے سبھی کو جگاتا ہوں میں
اور وضو کر کے مسجد کو جاتا ہوں میں
پھر میں ہوتا ہوں منڈی کی جانب رواں
لے کے آتا ہوں تھیلے میں کچھ سبزیاں
گھر میں آتا ہوں واپس تو جھاڑو لیے
سارا گھر صاف کرتا ہوں خود ہاتھ سے
گوندھتا ہوں جو آٹے کو اک تھال میں
خوب تھک جاتا ہوں تب میں اس حال میں
کام سارے ہی کرتا ہوں میں بھاگ کے
گرم کرتا ہوں چولھے کو بھی آگ سے
تب کہیں جا کے روٹی پکاتا ہوں میں
اس لیے دیر سے روز آتا ہوں میں
ایک پل بھی نہیں مجھ کو آرام ہے
برتنوں کو بھی دھونا مرا کام ہے
بہن بھائیوں کو اسکول میں چھوڑ کر
گھر کو واپس پلٹتا ہوں میں دوڑ کر
آ کے ابو کو کھانا کھلاتا ہوں میں
اس لیے دیر سے روز آتا ہوں میں
سارے کاموں سے فارغ میں ہوتا ہوں جب
دو نوالے زہر مار کرتا ہوں تب
گھر کے باہر سجاتا ہوں میں سبزیاں
میرے ابو انھیں بیچتے ہیں وہاں
نیند آتی ہے پر کم ہی سوتا ہوں میں
بہن بھائیوں کے کپڑے بھی دھوتا ہوں میں
کھیلنے کا تصور بھی دل میں نہیں
اپنی مجبوریوں سے میں غافل نہیں
روز جیتا ہوں اور روز مرتا ہوں میں
پھر بھی ان مشکلوں سے نہ ڈرتا ہوں میں
اپنے ابو کو کہتا ہوں میں الوداع
لے کے بستہ بغل میں، یوں چلتا ہوا
دوڑتا، بھاگتا پہنچ جاتا ہوں میں
واقعی! دیر سے روز آتا ہوں میں
اتنا کہہ کر وہ سر کو جھکانے لگا
اپنے چہرے سے آنسو ہٹانے لگا
میں نے بڑھ کر گلے سے لگایا اُسے
دے کے شاباش پھر تھپتھپایا اُسے
میرے بیٹے! میں کیسے بتاؤں تمھیں
حالِ دل کس زباں میں سناؤں تمھیں
معاف کرنا ہمیں، ہم تو غافل رہے
تم نے دکھ زندگی کے جو پل پل سہے
تم بہادر، جفاکش ہو، خوددار ہو
تم حقیقت میں دنیا کے معمار ہو
قابلِ فخر ہو، قابلِ داد ہو
اپنی منزل کی تم خود ہی بنیاد ہو
تم نے محنت کو، ہمت کو اپنا لیا
دوسروں کو سبق بھی یہ سکھلا دیا
کام دنیا میں کوئی بھی مشکل نہیں
گر نہ کوشش کرو، کچھ بھی حاصل نہیں

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: حافظ محمد اطہر

حمدِ باری تعالیٰ

یہ جرات سخن ہے یہ اظہارِ حال ہے
لکھوں میں تیری حمد یہ دل میں خیال ہے
رحمٰن ہے رحیم ہے توذوالجلال ہے
تیری ہو کیا مثال کہ تو بے مثال ہے
کہتا ہوں لاالہ تو رکھتا ہوں یہ یقین
اک ربِ کائنات ہے جو لازوال ہے
وہ لفظ دے کہ میں تری مدحت رقم کروں
ہونٹوں پہ یہ دعا ہے یہ دل میں خیال ہے
ذرہ ہوں کائنات کا، بندہ ہوں رب ترا
میں جو بھی کہہ رہا ہوں یہ تیرا کمال ہے
رافع ہے تو حکیم و لطیف و خبیر ہے
سامع ہے تو بصیر ہے توذوالجلال ہے
تیرے سوا کسی پہ بھروسا نہیں خدا
مجھ کو یقین ہے تجھے میرا خیال ہے
رہتی ہے تیرے ذکر میں مصروف یہ زباں
کرتا ادا یہ شکر مرا بال بال ہے

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب
صبحِ ازل ہے تیری تجلی سے فیض یاب
چوما ہے قدسیوں نے ترے آستانے کو
تھامی ہے آسمان نے جھک کر تری رکاب
شایاں ہے تجھ کو سرورِ کونین کا لقب
نازاں ہے تجھ پہ رحمتِ دارین کا خطاب
برسا ہے شرق و غرب پہ ابرِ کرم تیرا
آدم کی نسل پر ترے احسان ہیں بے حساب
پیدا ہوئی نہ تیری مواخات کی نظیر
لایا نہ کوئی تیری مساوات کا جواب

مولانا ظفر علی خان رحمۃ اللہ علیہ

میں تو خادم ہوں

حضرت ڈاکٹر عبدالحہ عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں تو خادم ہوں، اپنی بیوی کا خادم ہوں، اپنے بچوں کا خادم ہوں۔ہاں! خدمت کے انداز مختلف ہوتے ہیں لیکن میں ہوں خادم، لہٰذا میں نے اپنے آپ کو خادم سمجھ کر ساری زندگی گزار دی لیکن آج کل کے معاشرے میں مردوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ گھر کا کوئی کام کرنا نہ صرف یہ کہ ہمارے فرائض منصبی میں داخل نہیں بلکہ ہماری شان کے بھی خلاف ہے اور گھر کے کام کو اپنی شان کے خلاف سمجھنا تکبر کی اعلیٰ قسم میں داخل ہے اور یہ بہت بُری بلا ہے۔

فضول گوئی سے بچنے کا آسان طریقہ

یہ بات خوب سمجھ لیں کہ انسان کے قلب میں جس چیز کی محبت ہوتی ہے اسی کا ذکر زبان پر ہوتا ہے اور جس کا ذکر زبان پر ہوتا ہے، اس کی محبت قلب میں بڑھتی جاتی ہے۔جب دنیا کی باتیں ضرورت سے زیادہ کریں گے تو اس سے دنیا کی محبت دل میں بڑھے گی۔ایک بار حضرت رابعہ بصریہ رحمہا اللہ تعالیٰ کی خانقاہ میں کچھ لوگ دنیا کی برائی کی باتیں کر رہے تھے۔آپ نے انہیں ڈانٹ کر فرمایا کہ اے دنیا کے عاشقو! یہاں سے نکل جاؤ۔کسی نے کہا کہ یہ تو دنیا کی برائی کر رہے تھے تو فرمایا کہ دل میں دنیا کی محبت ہے جبھی تو اس کا ذکر زبان پر آیا، جس کی محبت دل میں ہو موقع بے موقع اس کا ذکر زبان پر آجاتا ہے خواہ بصورت ذم ہی کیوں نہ ہو۔دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے، اس لیے جب بھی زبان فضول گوئی کا تقاضا کرے تو یہ سوچا کریں کہ اس میں آپ کا کتنا نقصان ہے۔

حفاظت زبان، حضرت مفتی رشید احمد رحمۃ اللہ علیہ

عبادت کے قبول ہونے کی ایک علامت

حاجی امداد اللہ قدس اللہ سرہ سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت! اتنے دن سے نماز پڑھ رہا ہوں، معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہوتی ہے کہ نہیں۔ حضرت نے جواب میں فرمایا: ارے بھئی! اگر یہ نماز قبول نہ ہوتی تو دوسری بار پڑھنے کی توفیق نہ ہوتی، جب تم نے ایک عمل کر لیا اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہی عمل دوبارہ کرنے کی توفیق دے دی تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ پہلا عمل قبول ہے ان شاء اللہ۔اس وجہ سے نہیں کہ اس عمل کی کوئی خصوصیت تھی بلکہ اس وجہ سے کہ اس نے تمہیں توفیق دی، اس لیے اپنی نماز اور عبادتوں کو کبھی حقیر نہ سمجھو۔

اسلام اور ہماری زندگی

یہ شیطان کا خناس ہے

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ سنایا کرتے تھے کہ: ”جو شخص اپنی شان بنانے کی کوشش کرے یا جو یہ سمجھے کہ میں چوں کہ پیر بن گیا ہوں، لہٰذا فلاں کام میری شان کے خلاف ہے، اس کو تو طریقت اور تصوف کی ہوا بھی نہیں لگی۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب وہ پیر صاحب بن گئے تو ان کا بازار جاکر کوئی چیز خریدنا ان کی توہین ہے بلکہ وہ اپنے خادموں سے وہ چیز منگوائیں گے، اپنے مریدوں سے منگوائیں گے وہ خود کیوں بازار جائیں گے۔ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبر تو ضرورت کی اشیاء کی خریداری کے لیے بازار جارہا ہے کفار انبیاء کرام علیہم السلام پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ مَالِھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ کہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازار میں بھی پھرتا ہے۔ اب پیغمبر تو بازار سودا خریدنے کے لیے جارہا ہے لیکن پیر صاحب بازار نہیں جاسکتے اس لیے کہ پیر صاحب کی شان زیادہ بڑی ہے۔ یہ شیطان کا خناس ہے۔“

جب صبر نہیں کرو گے تو لڑائیاں ہوں گی

جب دوسروں کے ساتھ رہنا ہوگا تو تکلیفیں بھی پہنچیں گی، دوسروں کے ساتھ رہنا اور تکلیفیں پہنچنا یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں، ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا ہی نہیں جاسکتا۔ لہٰذا جب دوسروں کے ساتھ رہنا ہے تو یہ سوچ کر رہنا ہوگا کہ ان سے مجھے تکلیف بھی پہنچے گی اور اس تکلیف پر مجھے صبر بھی کرنا ہوگا، اگر صبر نہیں کرو گے تو لڑائیاں، جھگڑے، فتنے اور فساد ہوں گے اور یہ چیزیں وہ ہیں جو دین کو مونڈ دینے والی ہیں۔ لہٰذا جس کسی سے کوئی تعلق ہو، چاہے وہ تعلق رشتہ داری کا ہو، چاہے وہ تعلق دوستی کا ہو، چاہے وہ زوجیت کا تعلق ہو، لیکن یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ان تعلقات میں تکلیفیں بھی پہنچیں گی اور ان تکلیفوں پر مجھے صبر کرنا ہوگا اور ان تکلیفوں کو مستقل ناچاقی کا ذریعہ نہیں بناؤں گا۔ ٹھیک ہے ساتھ رہنے کے نتیجے میں تلخی بھی تھوڑی بہت ہو جاتی ہے، لیکن اس تلخی کو مستقل ناچاقی اور منافرت کا ذریعہ بنانا ٹھیک نہیں۔

(اصلاحی خطبات جلد 11، مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ)

مزاح کی تعریف

علامہ بدرالدین ابوالبرکات محمد غزنی رحمہ اللہ اپنی تصنیف ”المراح المزاح“ میں رقم طراز ہیں:

”بھائیوں اور دوست واحباب کا باہم خوش طبعی کرنا مستحب ہے، کیوں کہ اس سے دلوں کی راحت اور آپس کی محبت و مودت حاصل ہوتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بہتان تراشی اور جگت بازی نہ ہو جس سے انسان کی ہیبت ختم اور حشمت کم ہو جاتی ہے اور فحش کلامی بھی نہ ہو، جس سے بغض پیدا ہوتا ہے اور پرانے کینے بھڑکتے ہیں۔“

اشعار

انوکھی وضع ہے، سارے زمانے سے نرالے ہیں
یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں

علامہ اقبال

ہوئے نام ور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

امیر مینائی

تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے

امیر مینائی

سمایا ہے جب سے تو نظروں میں میری
جدھر دیکھتا ہوں، ادھر تو ہی تو ہے

نصیر الدین حیدر

جِن جِن کے یہ پُرانے پُرانے ہیں مقبرے
تھے ان کے واسطے بھی یہاں گھر نئے نئے

بہادر شاہ ظفر

نمک بھر کر میرے زخموں تم کیا مسکراتے ہو
میرے زخموں کو دیکھو مسکرانا اس کو کہتے ہیں

بے خود دہلوی

حضورِ یار بھی آنسو نکل ہی آتے ہیں
کچھ اختلاف کے پہلو نکل ہی آتے ہیں

تاثیر

تمام ہستی پہ چھا رہے ہیں، وہ جیسے خود ہیں بنا رہے ہیں
نظر نظر میں سما چکے ہیں، نفس نفس میں سما رہے ہیں

جگر مراد آبادی

ہر کام کو اس معیار پر تولو

آدمی جو بھی کام کرے اس میں اس بات کا لحاظ کرے کہ میرے اس کام سے دوسرے کو تکلیف تو نہیں پہنچ رہی؟ اگر اس کا لحاظ کرلیا تو سارے معاشرتی احکام کی پابندی ہوگئی اور سارے حقوق العباد ادا ہوگئے، لیکن اس کا پتا کیسے لگایا جائے کہ مجھ سے دوسروں کو تکلیف پہنچ رہی ہے یا نہیں؟ اس کا معیار یہ حدیث ہے کہ اَحِبَّ لِلنَّاسِ مَاتُحِبُّ لِنَفْسِکَ دوسروں کے لیے وہی بات پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ ہر چیز کو اس معیار پر تول کر دیکھو تو پتا چلے گا کہ دوسروں کو تکلیف پہنچ رہی ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے کو تکلیف پہنچ رہی ہے تو اس کام کو چھوڑ دو۔

بدعت تحریفِ دین کا راستہ

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر عبادات میں اپنی طرف سے قیدیں، شرطیں اور نئے نئے طریقے ایجاد کرنے کی اجازت دے دی جائے تو دین کی تحریف ہو جائے گی۔ کچھ عرصے کے بعد یہ بھی پتا نہیں لگے گا کہ اصل عبادت جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائی تھی کیا اور کیسی تھی۔ پچھلی اُمتوں میں تحریفِ دین کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے اپنی کتاب اور اپنے پیغمبر کی بتلائی ہوئی عبادات میں اپنی طرف سے عبادات کے نئے نئے طریقے نکال لیے اور ان کی رسم چل پڑی کچھ عرصہ کے بعد اصل دین اور نو ایجاد چیزوں میں کوئی امتیاز نہ رہا۔

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی
ہمہ جہت خدمات جاری و ساری

رپورٹ: خالد معین

الحمد للہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی ہمہ جہت خدمات جاری و ساری ہیں۔

رمضان المبارک میں اللہ تعالی کے فضل و کرم سے سحری افطاری، تحفہ رمضان (خشک راشن) کھجور کے ہدیے، گوشت، عید کے لیے کپڑوں جوتوں اور عید کے روز کے لیے دودھ سویوں کی شکل میں لاکھوں افراد کی خدمت ہوئی۔ پکا پکایا کھانا جو سال کے عام دنوں میں بھی پورے سال جاری رہتا ہے رمضان المبارک میں بھی مستحقین کے لیے یہ سلسلہ جاری رہا۔

سربراہ بیت السلام حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ کے تعلیمی وژن کے تحت آپ کی سرپرستی اور جید علماء کرام کی نگرانی میں نئے تعلیمی سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ بیت السلام ایجوکیشنل کمپلیکس کے دونوں کیمپس کے ساتھ ساتھ طالبات کے لیے مرکز فہم دین کی متعدد برانچوں، سینکڑوں بنیادی تعلیمی مراکز اور کیڈٹ کالج میں خصوصی تربیت کے ساتھ تعلیمی سلسلے شروع ہیں۔

الحمد للہ بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگنوسٹک سنٹر کے دوسرے کلیکشن پوائنٹ کا آغاز محمود برادرز برانچ کے نام سے کورنگی شریف آباد میں ہو چکا ہے۔ جس کی افتتاحی تقریب جمعہ ۳ مئی کو سہ پہر ساڑھے تین بجے ہوئی۔ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کے سربراہ حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ نے اس موقع پر بیان فرمایا اور دعا کروائی۔

جون میں ان شاء اللہ عید قرباں ہوگی اور بیت السلام کی وقف اجتماعی قربانی اپنی مثال آپ ہے ملک بھر میں بیسیوں مراکز کے زیر انتظام سینکڑوں رضاکار پس ماندہ اور دور دراز کی بستیوں کے باسیوں تک گوشت پہنچائیں گے۔ اجتماعی قربانی کا اتنا بڑا منظم جید علماء کرام کی نگرانی میں ہر سال انجام دیا جاتا ہے۔ اس وقت اجتماعی قربانی کے لیے انتظامات کیے جا رہے ہیں، ہزاروں جانوروں کی خریداری سمیت دیگر معاملات کے لیے احباب مصروف عمل ہیں۔

J.
FRAGRANCES
zarar
FOR MEN
BLEU
zarar
FOR MEN
BLEU
J.
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J. Fragrances & Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed

بیت السلام ٹیک پارک

BAITUSSALAM
—TECH PARK—

Free of Cost

PSDC Professional Software Development Certification

JS TS React node JS

Follow us
BaitussalamWelfareTrust

UAN
+92 21 111 298 111

Visit
Baitussalam.org